ماھنامہ

حکمت بالغہ

جولائی2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اورفیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ/http://jhanghikmat.co.cc یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ الصّف (11-14)

اے ایمان والو!

میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں؟

جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے

(وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ

اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو

یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا

اور تم کو داخل کرے گا باغاتِ (جنت) میں جن میں نہریں بہ رہی ہیں

اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں

یہ بڑی کامیابی ہے

اور ایک اَور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو

(یعنی تمہیں) اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی)

اور فتح (عن) قریب (ہوگی)

اور مؤمنوں کو (اس کی) خوشخبری سنا دو

اے ایمان والو!

اللہ کے مددگار ہو جاؤ

جیسے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے حواریوں سے کہا کہ

کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں

حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں

تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا

آخرالامر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی

اور وہ غالب ہو گئے

حرف آرزو

پاکستان واقعتاً ایک شدید
PASSIVE RESISTANCE
کے دور سے گزر رہا ہے

انجینئر مختار فاروقی

انسان اللہ تعالیٰ کی شاہکار تخلیق ہے اور ہر انسان ایک ''فرد'' ہے اور INDIVIDUAL ہے یعنی ایک انسان ایک مکمل تخلیق ہے اس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ فرد جمع ہوتے ہیں تو افراد سے جماعتیں وجود میں آتی ہیں۔ یہ جماعتی شکلیں قوم، قبیلہ، نسل، جمعتیں (UNIONS) اور گروپس (GROUPS) کی صورت میں سامنے آتی ہیں ان میں جماعتیں یعنی PARTIES سب سے بلند اور اعلیٰ اجتماعی شکل ہے جو اکثر افراد کو نظریات کی بنیاد پر جمع کرتی ہیں۔

نظریات کی بنیاد پر تشکیل پانے والی جماعتیں پھر ریاست کی تشکیل پر منتج ہوتی ہیں۔ جہاں اس جماعت کے افراد اپنے نظریات اور مذہب وفکر کے مطابق اپنا نظام تشکیل دیتے ہیں اور یوں ــــــــــــ شعوری اور غیر شعوری دونوں طرح دوسری جماعتوں اور ریاستوں کو دعوت مشاہدہ دیتی ہے۔ آؤ ہماری ریاست اور نظام کا مشاہدہ کرو۔ یہ اپنے تمام افراد کی زندگی کے ہر مرحلہ پر کامیاب رہنمائی اور تربیت کے مواقع فراہم کر رہا ہے اور ہر قسم کے افراد کی بنیادی ضرورتوں کی کفالت کا حق ادا کر رہا ہے۔

اپنی زبان سے تو ہر فرد اور ہر جماعت اپنی کامیابی کی دعویدار ہوتی ہے تاہم اگر دوسری جماعتیں اور ریاستی نظام کے چلانے والے بھی اس نظام کو مفید پاتے ہیں تو (آج کے جدید عہد میں جبکہ وسائل آمدورفت بہت ترقی کر چکے ہیں) ہر ریاست اس نظام کو قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گی اور نہ ماضی میں ایسا ہوا ہے۔

تاریخ عالم میں جمہوری طرز حکومت اور جمہوری ریاست کا تصور ایک طویل تعامل کے نتیجے میں پھیلا ہے اور آج دنیا کے بیشتر ممالک اسی تصور کو ناگزیر طرز حکومت کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔

اشتراکی انقلاب بھی گزشتہ صدی میں پہلے روس میں آیا (1917ء) اور پھر پھیلتا چلا گیا تا آنکہ نہ سمندر آڑے آئے اور نہ براعظم نہ زبان آڑے آئی نہ مذہب ایک وقت میں دنیا کے ستر سے زیادہ ممالک میں یہ نظام اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا حتیٰ کہ اپنے شدید ترین مخالف ملک امریکہ کی بغل میں کیوبا میں بھی یہ نظام نافذ ہوا اور نصف صدی سے زائد عرصے سے نافذ ہے۔ جمہوری نظام کے داعی اور چیمپئن امریکہ اور اشتراکی انقلاب کے علمبردار سابقہ یو ایس ایس آر آپس میں حالت جنگ میں رہے۔ جو کبھی سرد جنگ کی شکل میں تھی تو کبھی مسلّح افواج کے ساتھ حقیقی جنگ کی شکل اختیار کر جاتی یہاں تک کہ امریکہ اپنے مخالف کو شکست دے کر اپنی مخالف سپر پاور کے اشتراکی نظام کو تہس نہس کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں یورپ میں صنعتی انقلاب اور سائنسی ترقی نے ان ملکوں اور ریاستوں کو بے پناہ وسائل اور طاقت دے دی ہے۔ یہ یورپی اقوام طاقت کے نشے میں دھت اور کسی فلاحی اور انسانیت دوست نظریئے سے تہی دست دنیا میں پھیل گئیں اور ساری دنیا کو جبراً زیر کر لیا۔ مشہور مغربی مصنف سیموئل پی ھنٹنگٹن تہذیبوں کا تصادم نامی کتاب میں تسلیم کرتا ہے کہ

''______1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ پر تھا

جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا، بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے ــــــ'' (ترجمہ عبدالمجید طاہر باب 2 صف 42)

اس جنگی استعداد اور منظّم تشدد سے ساری متمدن دنیا میں مغرب کی دہشت پھیل گئی اور دور جدید کی دہشت گردی نے اسی مغربی تہذیب کی گود میں پرورش پائی ہے جو آج اپنے عروج پر ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جنگ عظیم اوّل کے بعد جو دنیا کا نقشہ سامنے آیا تو اس میں سوائے ترکی کے چھوٹے سے ملک کے دنیا میں کوئی مسلمان علاقہ آزاد نہیں تھا بلکہ یورپی اقوام کا غلام تھا۔

جنوبی ایشیاء میں علامہ اقبال جیسے عبقری انسان کی شاعری نے مسلمانوں میں جذبہ بیدار کیا اور مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے عالمی غلبہ کا سبق یاد دلایا۔ علامہ اقبال کی اس شاعری نے اس خطے میں تہلکہ مچا دیا اور ''بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی'' کے مصداق دنیا کو اسلام کے عالمی غلبہ کی خبر ہوئی تو سارے عالم کفر نے مسلمانوں کے خلاف ایکا کر لیا۔

جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں نے عالم بیداری میں انگریز سے لڑ کر اور ہندو کی عددی اکثریت کے باوصف ملک پاکستان حاصل کر لیا۔ نیز پاکستان کے دوسرے اور تیسرے یوم آزادی (14 اگست) پر بالترتیب 25 اور 33 اسلامی ملکوں کے فوجی دستے کراچی میں آزادی کی تقریبات میں شامل ہوئے۔ پھر 1949ء میں قرارداد مقاصد منظور ہوگئی جس سے پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا درجہ حاصل ہوگیا۔

ان اقدامات سے مغربی طاقتوں نے پاکستان کو اسلام کے عالمی غلبہ کا نقیب سمجھا اور ــــــــــ وہ دن اور آج کا دن گزشتہ چھ عشروں سے عالمی ابلیسی طاقتیں اکٹھی ہو کر پاکستان کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں۔

پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے جو کوششیں ہوئیں اور اسلام کے نفاذ کا غلغلہ ہوا وہ ایک ابتدائی مرحلہ تھا اگر پاکستان کو سانس لینے کچھ عرصہ مل جاتا تو مسلمانانِ پاکستان اپنے پاؤں

پر کھڑے ہو جاتے ــــــــــــ دنیا کو اسلام کے عادلانہ نظام کی جھلک دکھاتے، کفالت عامہ کا تصور عام ہوتا، جرائم سے پاک معاشرہ سامنے ہوتا تو شاید ساری دنیا از خود مسلمان ہو جاتی مگر ــــــــــــ ابلیسی قوتوں نے پاکستان اور پاکستان کے عوام کو دبوچ لیا۔

اصطلاحات کی زبان میں بات کریں تو مراحل انقلاب، نظریہ تربیت، تنظیم کے مراحل تو جیسے تیسے پورے ہوئے تھے۔ جسے قائداعظم نے ایمان اتحاد تنظیم کے الفاظ میں قوم کو یہی سبق یاد کرایا تھا اگلا مرحلہ صبر محض کا تھا۔ مسلمانوں پر یہ مرحلہ آیا اور قلیل عرصے میں ہجرت کا عمل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم ملک عطا فرما دیا۔

تاہم ــــــــــــ اب تک وہ صبر محض کا مرحلہ مسلمانوں اور ریاست پاکستان پر بیک وقت جاری ہے اور آزادی کے بعد گزشتہ 60 سال سے اس کی شدت میں تیزی آتے آتے اب ناقابل برداشت ہونے کی حدوں کو چھو رہا ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانان پاکستان بالعموم اور ملک خداداد پاکستان صبر محض (PASSIVE RESISTANCE) کے ایک طویل اور صبر آزما دور سے گزر رہا ہے۔ اور الحمدللہ کہ پاکستان نے یہ طویل عرصہ بڑی استقامت سے گزارا ہے کہ دشمن خود حیران ہے۔

درحقیقت آزمائشوں کی سختیوں اور مشکلات و رکاوٹوں کے حوصلہ شکن مراحل سے گزرے بغیر جذبوں کی صداقت اور کردار کی پختگی کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا اور اسی سے دوستوں اور دشمنوں اور کھرے کھوٹے کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ــــــــــــ اب یہ صبر محض کا دور ختم ہونے والا ہے اگر دو چار سال مزید پاکستان اور پاکستان کے عوام نے مغربی ابلیسی گروہ جس کا سرغنہ اس وقت امریکہ ہے ــــــــــــ کا مقابلہ کر لیا اور اپنا جذبہ اور مشن زندہ رکھا تو پھر ان شاء اللہ آئندہ صبر محض کا یہ دور ختم ہو جائے گا اور حالات گواہی دے رہے ہیں کہ پھر اقدام اور تصادم کا مرحلہ شروع ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پاکستان کے ساتھ ہوگی۔

وائٹ ہاؤس کے مکینوں کے نام

محمد فہیم

وائٹ ہاؤس کے مکینو!

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی! میں اس ملک کا ایک شہری آپ سے مخاطب ہوں جسے آپ کے ''نان نیٹو'' حلیف ہونے کا شرف حاصل ہے، اور جس کے حکمرانوں نے آپ کی تیار کردہ نائن الیون کی سازش کو اسی طرح من وعن تسلیم کر لیا جس طرح آپ نے اسے دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ کیوں نہ ہو، ہمارا اس وقت کا ڈکٹیٹر حکمران آپ کی نمک خواری کا حق ادا کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ ویسے اس میں اس کی ''وفاداری'' کا عنصر کم اور بزدلی کا زیادہ تھا۔ اس وقت کے پاکستان پر بزورِ قوت قابض ڈکٹیٹر نے ہر قسم کی غیرت، حمیت، مردانگی اور سپاہیانہ جرأت کو بالائے طاق رکھ کر ایک تھرڈ کلاس اہلکار رچرڈ آرمیٹج نام کی ایک فون کال پر اِس ملک کا سب کچھ تمہارے قدموں میں رکھ دیا۔ اسے پاکستان کے مفاد، عزت و ناموس سے زیادہ اپنا اقتدار اور مفاد عزیز تھے۔ اس نے نعوذ باللہ خدائے عزوجل کو بھلا کر خیر وشر کا سرچشمہ تم ہی کو مانا اور جانا تھا۔ اس نے ایک U-TURN لے کر مغربی سرحد پر ''طالبانِ افغانستان'' کی صورت میں اللہ عزوجل کی طرف سے پاکستان کی سرحد کو بلا اجرت مہیا کردہ محافظین کے خلاف تم کو ہر قسم کی سہولیات مہیا کرنے کا گھناؤنا جرم کیا۔ اس نے نہ صرف یہ کہ تمہیں اپنی زمین، ہوائی اڈے، اپنی

فضااور پہاڑوں کوتمہارے ظالمانہ اقدامات کے لئے پیش کیا بلکہ آگے بڑھ کر ہماری ایک لاکھ فوج کے مسلمان نوجوانوں کو بھی جن کے سینے لا الہ الا اللہ سے معمور تھے، آپ کے انسان نما حیوانی صفات سے متصف حملہ آور فوجیوں کی حفاظت اوران کو کور دینے کے غیر انسانی کام پر لگایا جو آج بھی اپنے قبائلی عوام اور محبّ وطن پشتونوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔

ہماری اپنی غلطیوں، تمہارے ساتھ ہمارے حکمرانوں کی بے جامدد، تمہارے گھڑے کی مچھلی بننے اور تمہارے میڈیا کی بے تحاشا پروپیگنڈے سے دنیا اور خصوصاً اس خطے کے لوگوں کی اتنی قلب ماہیت ہوئی کہ انہوں نے تسلیم کرلیا کہ افغانستان پر حملہ اوراس پر قبضہ نیویارک پر 9/11 کو ہونے والے حملہ ہی کی وجہ سے ہوا، اور یہ کہ ''معصوم'' امریکہ پر دہشت گردوں نے افغانستان کے غاروں سے حملہ کر کے دہشت گردی کی انتہا کردی۔

امریکہ کے منصوبہ سازو! نائن الیون کے واقعہ کی منصوبہ بندی اوراس کو منطقی انتہا تک پہنچا کر تم نے افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے ساتھ عام آدمی کے دل میں اپنے لئے کسی حد تک ہمدردی پیدا کرنے کی چال کامیابی سے چلی۔ تمہارے خیال میں تین چار ہزار بے چارے بے خبر امریکی شہریوں کو قربان کر کے اتنی ''بڑی کامیابی'' حاصل کرنا ایک اچھا سودا تھا۔ اِس سے تمہیں نہ صرف یورپی راجدھانیوں کی حمایت حاصل ہوگئی بلکہ اپنی دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کا بھی موقع مل گیا، یعنی آپ کے ناجائز بچے اسرائیل کو جس ''آئیڈیالوجی'' اور ''ایٹم بم'' سے خطرہ تھا ان دونوں کو DEFUSE کرنے کے لئے تم لوگوں کو افغانستان کی سرزمین ایک لانچنگ پیڈ کے طور پر مل گئی۔ تم نے جس مکر و ہوشیاری سے طالبان، القاعدہ، انتہا پسند، بنیاد پرست وغیرہ وغیرہ کی اصطلاحات وضع کر کے اسے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھایا یہ بھی تمہارے پروگرام کی کامیابی کا ثبوت ہے۔ جسے تمہارے اپنے میڈیا کے علاوہ اس ریجن کے زرخرید میڈیا ماسٹرز اور سیکولر طبقات نے بھی نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے اپنا کر تمہارے ہم نوا بننے کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ ہم تمہیں یاد دلاتے ہیں کہ تمہارے 9/11 کے مکر کی ابھی تک آپ کی کسی عدالت، کسی تھنک ٹینک اور کسی بھی ادارے نے توثیق نہیں کی ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے (جسے آپ کے فارن آفس کی ایک ذیلی شاخ کہنا چاہیے) بغیر کسی ثبوت اور تحقیق کے

آپ کے موقف کی متفقہ طور پر تائید کر کے تمہارے اس شیطانی مشن کو پورا پورا جواز مہیا کر دیا۔ کمال کی بات یہ ہے۔

کہ نیٹو نے اپنے چارٹر کے آرٹیکل 5 کو رُوبہ عمل لا کر 9/11 کے واقعہ کو تمام 19 نیٹو ممالک پر حملہ کے مترادف قرار دیا۔ یاد کیجیے بُش کا بحیثیت صدر پہلی دفعہ اقتدار میں آنا متنازعہ تھا اور اس کی صدارتی انتخاب کے شفاف ہونے پر نہ صرف انگلیاں اُٹھائی جا چکی تھیں بلکہ فلوریڈ اسٹیٹ کی حد تک تو اس کا فراڈ کھل کر ثابت ہو چکا تھا۔

وائٹ ہاؤس کے مکینو! اس متنازعہ صدر یعنی بُش انسان کش نے 9/11 کی کہانی تراش کر کس طرح امریکی قوم کو اپنے پیچھے لگا لیا بلکہ دوسری بار بطور صدر منتخب ہونے کی بھی اپنے لئے راہ ہموار کر دی۔ تم نے دُنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب ہر کس و ناکس اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہے کہ نائن الیون کا ڈرامہ تم لوگوں نے خود ہی بنایا تھا تا کہ تم کو افغانستان پر حملہ آور ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کا جواز حاصل ہو، جو تم نے کر لیا۔ میں جانتا ہوں اور دنیا جانتی ہے کہ تمہاری ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر چکی ہے کہ تم شیطان کو بھی LOCATE کر سکتے ہو۔ پوست کی کاشت والے علاقوں میں تمہاری سیٹلائٹ ٹیکنالوجی ایک ایک مرلہ زمین پر افیون کی فصل کی نشاندہی کر سکتی ہے مگر پھر بھی تم ابھی تک اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کو LOCATE کرنے میں ناکام رہے۔ یہ بھی تمہارا مکروفریب ہے۔ یہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر اسامہ بن لادن نام کا کوئی آدمی آج بھی زندہ ہے تو وہ یا تو آپ کے ساتھ وائٹ ہاؤس میں ہوگا اور یا معجزانہ طور پر کہیں سمندروں کی تہہ میں یا خلاؤں میں رہ رہا ہوگا۔ تورا بورا اور اس کے بعد افغانستان کی پہاڑیوں اور غاروں پر آپ کی کارپٹ بمباری سے تو کوئی بھی ذی روح بچا نہیں ہوگا۔ پھر یہ لوگ جو اپنے ساتھ پوری ایک جمعیت رکھتے تھے کیسے زندہ بچے۔ لیکن ہاں تمہارا مکروفریب بڑا دلچسپ ہے۔ تمہارے لئے مرے ہوئے اسامہ سے زندہ اسامہ بہر حال زیادہ کارآمد ہے، تا کہ اس بہانے سے تم جہاں چاہو اپنی مہم جوئی اور دہشت گردی کو دوام دے سکو۔

تم انسانیت کے مجرم ثابت ہو رہے ہو۔ تم نے اپنے ظلم، سازشوں اور دولت کے ذریعے اکثر مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔ تم ان سے اپنی مرضی کے

کام نکلواتے ہو۔تمہارے موہنوں کوانسانی خون کا چسکا لگا ہوا ہے۔تم نے میری پاک سرزمین پر سازشوں کا جال بچھایا ہوا ہے۔تم نے میرے پاک وطن کے تقدس کو پامال کرلیا ہے۔تم نے میری دھرتی کی بیٹیوں، بچوں، بوڑھوں کو کبھی بمباری کا نشانہ بنایا تو کبھی اس بے حمیت ڈکٹیٹر کے ذریعے سینکڑوں معصوم لوگوں کو اغوا کر کے نامعلوم مقامات پر اور بدنام زمانہ گونتانا موبے اور باگرام کے عقوبت خانوں میں قید رکھا۔تم نے میری بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا، تم نے میرے مسلمان بچوں کو یتیم کر دیا اور سینکڑوں کو ڈرون حملوں کا نشانہ بنایا۔اس پر بس نہیں کیا تم نے میرے ازلی دشمن بھارت کو میرے مقابلے میں اس ریجن میں ایک منی سپر پاور بنانے کے لئے ہر قسم کی سازش کا ارادہ کر رکھا ہے۔کٹھ پتلی کرزئی کے زیر انتظام افغانستان میں بھارت کے 24 قونصلیٹ قائم کئے گئے ہیں اور تمہاری شیطانی پلاننگ سے میری سرزمین کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔وہاں سے لاکھوں کروڑوں ڈالر دے کر تخریب کار اور خودکش بمبار میری سرزمین میں داخل ہو کر تخریب کاری کر رہے ہیں۔

اے وائٹ ہاؤس کے باسیو! تمہیں یہ کیوں نظر نہیں آ رہا ہے کہ تم نے میرے پڑوس میں ایک اسلامی ملک پر قبضہ کر کے اسے میرے ملک کے خلاف ایک سازش گاہ بنا رکھا ہے اور وہاں سے تم نے میرے ملک میں فرقہ واریت، دہشت گردی اور افراتفری کی حوصلہ افزائی کے لئے ہر قسم کی منصوبہ بندی میں تعاون کرنے کا شیطانی منصوبہ بنا رکھا ہے۔ان سب سے آپ کے پیش نظر جو مقاصد ہیں وہ اب میرے قوم کے حکمرانوں، سیاستدانوں، بیوروکریٹس، مسلح افواج اور عوام الناس، سب کی سمجھ میں آ چکے ہیں۔لوگ جان چکے ہیں کہ آپ کا ہدف اور مقصد کیا ہے، آپ کا ٹارگٹ ہے:

1۔ پاکستان کے نظریاتی وجود کو ختم کرنا

2۔ پاکستان کے ایٹمی صلاحیت کو ختم کرنا

اور ان دو اہداف کے لئے تمہارے منصوبے کچھ اس طرح ہیں:

(i) بھارت کو تقویت دے کر اسے اس ریجن کا تھانیدار بنانا،

(ii) افغانستان پر اپنے قبضے کو طول دے کر وہاں اپنا ایجنڈا مستحکم کرنا،

(iii) پاکستان میں تخریب کاری، دہشت گردی اور فرقہ واریت کو فروغ دینا اور علیحدگی پسندی کی تحریکوں کو ہوا دینا۔

(iv) میری عظیم فوج کو میرے عوام الناس کے خلاف استعمال کر کے دونوں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرنا۔

(v) یہ بیلٹ جسے ہم شمالی مغربی پاکستان کہتے ہیں اس میں پردہ، چادر و چار دیواری، غیرت وپشتون دلی کی بنیادی اقدار کو ختم کرنے کیلئے فحاشی وعریانی کو فروغ دینا، اور

(vi) پاکستان کے سر (یعنی شمالی پاکستان بشمول قبائلی پٹی) اور اس کے پاؤں (یعنی جنوبی پاکستان بشمول کراچی) کو ملک سے کاٹنا یا کم از کم ان کو اتنا زخمی کر دینا کہ پاکستان سے ہمیشہ خون رستا رہے۔

وائٹ ہاؤس والو! خصوصاً اوبامہ صاحب! آپ مہربانی کر کے ذرا سوچیں اس ریجن میں یہ تمام تباہی اور بربادی آپ ہی کی ناروا اور بے جا مداخلت کی وجہ سے ہے۔ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ہیومن رائٹس، ویمن رائٹس، چلڈرن رائٹس اور جمہوریت وغیرہ کے چمپئن ہیں۔ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو پھر انصاف، عقل اور دانش کا تقاضا یہ ہے کہ قیام امن اور انسانیت کی خاطر آپ افغانستان سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر نکل جائیں۔ ہم مسلمانوں کو اپنے اپنے ملکوں میں خود اپنے طور پر اپنے دین، اپنی اقدار اور اپنے سماجی اصولوں کے مطابق رہنے دیں۔ ایسا کر کے آپ نہ صرف انسانیت پر احسان کریں گے بلکہ اپنی قوم کے ساتھ بھی یہ آپ کی بہت بڑی بھلائی ہوگی اور آپ کا ملک امریکہ موجودہ مالی، سماجی اور معاشی مشکلات سے نکل آئے گا۔ لیکن یاد رکھیے گا کہ اگر تم نے بعد از خرابی بسیار بھی ہوش کے ناخن نہ لئے تو پھر تمہارا حشر بھی کمیونسٹ روس کے انجام سے کم نہیں ہوگا۔

(بشکریہ ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور مئی 2009ء شمارہ 19)

2009ء انصاف کی فراہمی کا سال

انجینئر مختار فاروقی

وطن عزیز کے شب و روز کا رنگ اخبارات کی سرخیوں اور شہ سرخیوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے پاکستان کے اعلیٰ حکومتی ذمہ داران اور عہدیداران کی امریکہ طلبی اور سرزنش کی خبریں آئے دن کی بات ہے امریکی و یورپی ونیٹو حکام کی پاکستان آمدورفت اور بعض مبصرین کا پڑوسی ممالک میں آ کر بیان بازی کرنا ہمارے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے بلکہ زخموں سے نڈھال قوم پر مزید سنگ زنی کرنے والی بات ہے، مغربی طاقتوں کو اپنے مفادات عزیز ہیں اور مفادات کی اس جنگ میں ہر فریق اپنے مفادات کے حصول کے لئے سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہے امریکی مفادات کی ناؤ عراق میں غرق ہو چکی اور اب افغانستان میں امریکی گرفت کمزور پڑ رہی ہے۔ امریکہ اور G20 ممالک کے سودخور ذہن نے عالمی اقتصادیات کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے اور اہل نظر دیکھ رہے ہیں کہ اب واقعی سرمایہ دارانہ نظام کی بالادستی کے دور کا اختتام ہی ہے جو فوکویاما نے END OF HISTORY نامی کتاب میں پیش گوئی تھی۔ حالات ایک موڑ پر آ کھڑے ہوئے ہیں اور عالمی شاطر جلدی جلدی اپنے مہرے نئے حالات کے مطابق لانے کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ فیصلے کر رہے ہیں۔

اس عالمی منظر نامہ میں پاکستان اور اسلام کی سالمیّت اور مفادات کی نگہبانی کی فکر

کرنے والے عناصر کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ ایک عام شہری کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے۔ اندرونِ خانہ حالات شاید اتنے مخدوش نہ ہوں جتنے پریس اور میڈیا کے زور پر عوام کے ذہنوں کو محسوس کرائے جا رہے ہیں۔ تاہم جو کچھ آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور عوامی بہبود کی پالیسیوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ حالات عوام کیا خواص کو بھی دن بدن رجائیت سے مایوسی کی طرف دھکیل رہے ہیں

علامہ اقبال اور قائداعظم کے حوالے سے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں جو خواب آزادی کے بعد پورے ہونے تھے ان کی تعبیر کے سلسلے میں ہنوز قوم پر ایک 'ہو کا عالم' طاری ہے۔ مئی 1998ء میں ایٹمی دھماکے کے دس سال بعد ایک اور اچھی خبر جس نے قوم کے چہرے پر خوشی بکھیر دی وہ ہمارے وکلاء کی طرف سے طویل اور پرخطر جدوجہد کے بعد ملک میں عزت مآب چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری صاحب کی باعزت اپنے عہدے کی بحالی کا مرحلہ تھا۔ عزت مآب جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کی بحالی کی جدوجہد کا جائزہ لیں تو اس مہم کی کامیابی کا سہرا یقیناً وکلاء برادری کی متحدہ جدوجہد کے سر ہی ہے۔ تاہم عوامی امنگوں اور عوام کے دلوں میں ظلم سے نجات اور انصاف کی فراہمی کے جذبات کا بھی اس تحریک کو کامیاب کرنے میں بڑا کردار ہے

عزت مآب جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کے دل میں اپنے ہم وطن لوگوں کے لئے اور وکلاء برادری کے لئے سپاس کے کیا جذبات ہیں' اس کا انہوں نے مختصر اظہار کر دیا تھا۔ وہ اس سلسلے میں کیا اقدامات اٹھا سکتے ہیں اور اٹھا رہے ہیں وہ ان کی پیشہ ورانہ اور سرکاری مصروفیات کی اخباری رپوٹنگ سے سامنے آ گئے ہیں۔ اُن کا عزم یہ سامنے آیا ہے جو انہوں نے ملک کی اعلیٰ عدلیہ کے ذمہ داران سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ انصاف کی فراہمی میں رکاوٹیں دور کرنے کا عزم رکھتے ہیں، 2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال قرار دے کر سارے زیرالتوا مقدمات کا تصفیہ چاہتے ہیں۔ اور اخباری رپوٹ کے مطابق ماتحت عدلیہ تک بھی یہی ہدایات جاری کر دی گئیں ہیں۔

اس مرحلہ پر جبکہ 2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال قرار دیا گیا ہے ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کے مخصوص حالات میں انصاف کی فراہمی کی فکر کرنا کیا صرف ہمارے عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کی ذمہ داری ہے یا صرف

ایک سرکاری حکم نامہ جاری کرنے سے نچلی سطح تک انصاف کی فراہمی شروع ہو جائے گی۔ جو شخص بھی حالات سے واقف ہے اور قومی اور ملکی معاملات پر نظر رکھتا ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بظاہر ''انصاف کی فراہمی'' کا یہ کام بڑا سادہ سا لگتا ہے مگر درحقیقت جب تک پوری قوم اس کام کے لئے ذہناً تیار نہ ہو اور انصاف کی فراہمی کے لئے سارے متعلقہ فریق عزم مصمم نہ کر لیں کہ واقعی ظلم، دھونس، اقربا پروری اور رشوت وغیرہ کا راستہ روک کر ہم صرف انصاف کی فراہمی کے خواہش مند ہیں بلکہ اس بات کا بھی پختہ ارادہ ہو کہ اب انصاف کی فراہمی کی اس مہم کو 2009ء کے بعد ان شاءاللہ پٹڑی سے اترنے نہیں دیں گے چاہے ہمیں کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے اس وقت تک اس نیک کام کا تکمیل پذیر ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔

انصاف کی فراہمی کے سلسلے میں جو طبقات عدالتی نظام سے وابستہ ہیں وہ سب اس عہد میں شامل ہوں تو ہی اس مشن کو مکمل کیا جا سکتا ہے اگر ہم سب اس میں مذکورہ جذبہ صادق سے شریک ہو جائیں اور 2009ء کو واقعی انصاف کی فراہمی کا مثالی سال بنا دیں تو نہ صرف لوگوں کو انصاف فراہم ہوگا بلکہ عدالتی نظام پر لوگوں کا اعتماد بحال ہوگا۔ عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کے احکام کی تعمیل ہوگی تو ان کا مشن مکمل ہوگا اور ان کا مشن مکمل ہوگا تو حقیقت میں وکلاء کی جدوجہد کامیاب ہوگی جس کے لئے ساری قربانیاں دی گئی ہیں۔

آیئے ذرا تفصیل میں دیکھتے ہیں کہ انصاف کی فراہمی کے سلسلے میں کیا کیا مراحل اور مشکلات درپیش ہیں اور ان سے کیسے عہدہ برا ہوا جا سکتا ہے۔

عدالتی نظام سے متعلقہ طبقات

ہمارے عدالتی نظام کا ایک حصہ تو عدالتیں ہیں تحصیل، ضلع، صوبہ اور مرکز میں عدالتیں قائم ہیں اور ان کے جج صاحبان ہیں اور ان کا خاص طریق کار ہمارے ملک کے آئین اور قانون میں درج ہے اس کے مطابق یہ معاملات چل رہے ہیں۔ انصاف کی فراہمی سے متعلق یہ شعبہ عام آدمی کی مداخلت سے اوپر ہے اور یہ کام ہمارے معزز جج صاحبان اور پھر درجہ بدرجہ اوپر جا کر عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کے کرنے کا کام ہے۔ اس پر گفتگو اس وقت

اس تحریر کے دائرہ سے باہر ہے۔اب عدالتی نظام سے متعلق دیگر طبقات ہیں جن کا ہم یہاں مرحلہ وار تذکرہ کر کے ان کے دائرہ کار اور اصلاحی نقطۂ نظر سے تجاویز پیش کریں گے۔

عدالتی نظام سے متعلق طبقات درج ذیل ہیں:

(1) عوام ہمارے ملک کے 18 کروڑ عوام عدالتی نظام کے براہ راست متاثرین میں سے ہیں اور یقیناً سب سے بڑا طبقہ ہے۔ یہاں گفتگو کو واضح کرنے کیلئے 'عوام' کے بھی دو طبقے ہیں۔

(ا) ملک کے تمام باشندے عمومی طور پر خواہی نہ خواہی اس میں شریک ہیں چاہے کوئی شخص آج تک کبھی عدالت نہیں گیا پھر بھی اسے اس بات کا تو احساس ہے کہ ہمارے ملک میں ایک عدالتی نظام ہے ہمارے ملک میں عدالتیں کچہریاں ہیں وہاں جھگڑوں کے فیصلے ہوتے ہیں اور دائیں بائیں دیکھ کر اور سن کر ہر شخص ایک رائے رکھتا ہے کہ ہمارے عدالتی نظام کی ساکھ کیا ہے اور لوگ کسی سانحے، جھگڑے اور قضیئے کے بارے میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ یہ بہت اہم ہے۔

(ب) عوام میں سے ہی دوسرا طبقہ وہ ہے جو کسی فوجداری یا دیوانی مقدمے میں خود بھی عدالت میں جانے کا تجربہ رکھتا ہے، مدعی کی حیثیت سے یا مدعا علیہ کی حیثیت سے۔اس طبقہ کو سنی سنائی باتوں کے انداز میں نہیں بلکہ 'تن ورتی' اور آپ بیتی کے طور پر معلوم ہے کہ ہمارے عدالتی نظام اور اس سے متعلقہ طبقات میں انصاف سے متعلق سوچ کیا ہے؟ اور انصاف کی فراہمی میں کس کا کیا حصہ ہے؟ ذاتی تجربہ کے طور پر اسے انصاف ملنے یا نہ ملنے کا بھی ایک تصور ہے۔

(2) وکلاء برادری عوام میں سے جس آدمی کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑ جائے تو جس طبقہ سے سب سے پہلے واسطہ پڑتا ہے وہ وکلاء برادری ہے۔جدید تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اس شعبہ سے وابستہ ہیں ان کا خاص طریق کار ہے، ان کی فیسیں ہیں، ان کے ذریعے اخراجات ہیں، وکلا کے دفتر میں دیگر ذمہ داران منشی صاحبان ہیں، جج صاحبان کے ماتحت عدالتی اہلکار ہیں جن سے عام آدمی کو مدعی یا مدعا علیہ بن کر ملنا پڑتا ہے۔

(3) عرضی نویس عدالتی کام سادہ نوعیت کا ہو تو وکیل کی ضرورت نہیں پیش آتی اکثر لوگ خود

ہی متعلقہ افسر کے سامنے پیش ہو جاتے ہیں مگر اس کام کے لئے عام آدمی کو اپنی ضرورت یا خواہش یا مطالبہ تحریراً متعلقہ افسر کے سامنے رکھنا ہوتا ہے اس لئے کہ اولاً اتنا وقت نہیں ہوتا کہ متعلقہ افسر ساری بات سن سکے اور ثانیاً بعض باتیں انسان بھول جاتا ہے لہٰذا پہلے سے تیار شدہ ایک درخواست کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اور پھر درخواست لکھنا ایک فن ہے اس میں افسران کا محکمہ، کام کی نوعیت کے اعتبار سے متعلقہ افسر کی عدالتی پہچان اور عدالتی اصطلاحات سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ لہٰذا ——— کچہریوں میں عرضی نویسی کا ایک شعبہ ہے اور باقاعدہ رجسٹرڈ عرضی نویس ہوتے ہیں جو عام آدمی سے فیس لے کر اسے درخواست لکھ دیتے ہیں جو اکثر اوقات مفید مطلب ہوتی ہے۔

(4) پولیس مقدمہ اگر فوجداری (CRIMINAL LAW) کا ہے تو اس میں پولیس سے سابقہ پیش آتا ہے؛ لہٰذا چوکی، تھانہ، چھوٹا تھانیدار، بڑا تھانیدار، محرر، تفتیشی افسر، گشتی پولیس ٹریفک پولیس وغیرہ سے سابقہ پیش آتا ہے اور ہر ذی شعور شہری یہ جانتا ہے کہ کسی فوجداری وقوعہ کے بعد اس کی FIR سے لے کر مقدمہ کی تفتیش اور فیصلے تک پولیس کا بڑا بنیادی کردار ہے بلکہ بڑا فیصلہ کن کردار ہے۔ کچہریوں میں عرضی نویس طبقہ عام آدمی کی ضرورت ہے تاہم یہ طبقہ حکومت کی طرف سے اجازت یافتہ ہوتا ہے اور اس کے اصول وضوابط اور تربیت اور امتحان کے مراحل ہوتے ہیں لہٰذا اس کا کاغذی ہی سہی کچھ ضابطہ اخلاق ہوتا ہے۔ پولیس سے رابطہ پر تھانہ/چوکی حاضری ہوتی ہے تو سول کپڑوں میں کئی حضرات ایسے ملتے ہیں جو عام آدمی کو پولیس کے طریقے اور تفتیش کے مراحل سے عدم واقفیت کی بنا پر بڑے بھاری نقصان سے بچنے کا حوالہ دے کر سائل کے ہمدرد بن جاتے ہیں تو اس طرح پولیس اور سائل کے درمیان معاملات کو طے کرانے کے لئے یہ 'بے نام' طبقہ کسی تحریری شناخت کے بغیر انصاف کی فراہمی کی راہ کا بھاری پتھر بن جاتا ہے اور اکثر اوقات سائل کے مسئلہ کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے اس سے اپنے پیسے (رشوت) وصول کر کے سائل کو عدالتی پیشیوں اور دھکوں کے حوالے کر کے غائب ہو جاتا ہے۔

انصاف کی فراہمی کے حصول میں یہ طبقہ بڑا موثر ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ اس طبقہ کو تحفظ عوام کی بجائے پولیس کی طرف سے زیادہ ملتا ہے؛ لہٰذا 2009ء کو انصاف کی فراہمی کے

سال کے طور پر گزارنا ہے تو اس طبقے کو بھی یہ بات سمجھانی (COMMUNICATE) پڑے گی کہ ان کا طرز عمل کہاں کہاں انصاف کی فراہمی کے راستے کا سنگ گراں بن جاتا ہے اور سائل کس طرح انصاف کے حصول کی امید میں سب کچھ لٹا کر بھی مایوس ہو کر گھر لوٹ جاتا ہے۔

(5) **گواہ** عدالتی نظام کا ایک موثر اور اہم طبقہ کسی مقدمہ میں 'گواہ' ہیں۔ اکثر مقدمات میں مدعی کو اور مدعا علیہ کو اپنے حق میں گواہی یا شہادتیں بھگتانا پڑتی ہیں، اس سلسلے میں حقیقی گواہ میسر نہ ہوں تو مقدمے کے خارج ہونے کا امکان ہوتا ہے اور حقیقی گواہ بھی ذرا 'موقع شناسی' کے ہنر سے بے بہرہ ہوں تو بعض اوقات مقدمہ الٹا پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا ــــــــــــ ہمارے عدالتی نظام میں بنے بنائے ہر مقدمے میں پیش ہونے کے لئے تیار کئی ناموں اور شناختوں کے ساتھ کچھ لوگ ہر وقت میسر رہتے ہیں اور بیان حلفی دینے تک آمادہ ہوتے ہیں صرف ان کی مقرر کردہ فیس یا ان کے کمزور ایمان کی ذرا سی قیمت بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔

جو حضرات واقف راز ہائے دروں ہیں وہ اس فہرست میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں تاہم مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ اگر 2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال قرار دیا ہے اور اس دوران میں انصاف کے راستہ کی رکاوٹیں دور کر کے انصاف کا حصول آسان اور ممکن بنانا ہے تو ان طبقات کو کون توجہ دلائے گا اور ADDRESS کرے گا۔

ہمارے عزت مآب جسٹس صاحب نے عدلیہ کے ارکان وعمائدین سے خطاب کر کے اپنے حصے کا کام کر دیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ عدالت ہائے عالیہ (HIGHCOURTS) کے لیول تک وکلاء (BARS) سے بھی مخاطب ہو سکتے ہیں اور اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں مگر ان سے آگے ان کے کرنے کا کام نہیں ہے عدالتی نظام سے وابستہ عدالت عالیہ وعدالت عظمیٰ کے جج صاحب کے لئے آج کی دنیا میں جو اقدار اور NORMS رائج ہیں ان کی رو سے عزت مآب جسٹس صاحب کچھ باتوں کے پابند ہیں وہ کوئی پریس کانفرنس نہیں کر سکتے، سیاسی یا اخباری بیان جاری نہیں کر سکتے، کسی کو انٹرویو نہیں دے سکتے، حتیٰ کہ عام لوگوں سے میل جول نہیں رکھ سکتے۔ چند عشرے پہلے تک اعلیٰ عدلیہ کے جج صاحبان روزانہ کا اخبار بھی صبح نہیں بلکہ بعد دوپہر دیکھتے تھے کہ کسی خبر یا اشتہار سے ان کا فیصلہ متاثر نہ ہو جائے۔

اندریں حالات اپنے محبوب اور نشانِ عدل عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کے ارادے کے مطابق 2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال قرار دیا ہے تو بہت سا کام وکلاء، علماء، خطباء، سیاسی رہنمانانِ قوم، ملت کے دردمندوں اور مصلحین کو سرانجام دینا ہے۔

جہاں تک عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کے کرنے کا کام تھا وہ انہوں نے کر دیا ہے اور قوم کو راستہ دکھا دیا ہے کہتے ہیں کہ عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے ــــــــــــ قوم میں احساس زیاں ہو اور خودی بیدار ہو ــــــــــــ تو ہمیں اپنے فرض کو پہچاننا چاہیے پوری قوم نے بجا طور پر دباؤ ڈال کر اپنے اجتماعی ضمیر کے مطابق عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کو بحال کرایا ہے تاہم قوم نے اس طرح ان پر کوئی احسان نہیں بلکہ صرف آل پاکستان سطح پر ملکی اور ملی لحاظ سے اپنے اجتماعی شعور کا ثبوت دیا ہے کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں بس۔ اس وقت ملکی سطح پر دیکھیں تو کوئی رہنما قوم کی صحیح رہنمائی کرنے کے لئے اور ملکی سطح پر درپیش مسائل کی اصلاح کے لئے اتنی کوشش نہیں کر رہا جتنی عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب نے انصاف کی فراہمی کے سلسلے میں اعلان کر کے اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے ہماری دعا ہے کہ وہ اپنے حصے کا کام بطریق احسن انجام دینے میں کامیاب ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے اور حالات سازگار کر دے۔ آمین

2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال بنانے کے لئے ہم اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں ذیل میں اس کا تفصیلی خاکہ پیش خدمت ہے۔

(1) عدلیہ جہاں تک جج صاحبان ہیں وہ اپنی حیثیت میں ہی ہمارے لئے قابل احترام ہیں اور ہم ان کو کچھ مشورہ دینا سوئے ادب سمجھتے ہیں تاہم یہ ایک فطری بات ہے کہ کسی شریف النفس آدمی سے کوئی کام وعدہ کے مطابق نہ ہو سکے یا کوئی ذمہ داری ادا نہ ہو سکے تو ایسا شخص دوسرے پر تنقید سے پہلے دل میں اپنے آپ کو ہی اس کوتاہی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اپنی بشری کوتاہیوں کمزوریوں لغزشوں اور سستی کو اس کا سبب سمجھتا ہے بعینہ اسی طرح ہماری عدالتوں کے جج صاحبان سے گذارش ہے کہ اگر ہزار ہا مقدمات عدالتوں میں زیر التواء ہیں تو اوپر درج بات پر قیاس کر کے ہمارے جج صاحبان اپنے طور پر فیصلہ فرمالیں کہ ان شاءاللہ آئندہ انصاف کی فراہمی میں کسی ذاتی

کام، کمزوری سستی کو ہرگز ہرگز آڑے نہیں آنے دیں گے اور دیئے گئے وقت کے اندر مقدمات کو نبٹا دیں گے۔

اس مرحلے میں دوسری بات یہ ہے کہ جیسے پولیس کے معزز پیشہ سے متعلق حضرات کی تنخواہیں معقول کرنے سے حکمران اور عوام بہتری سمجھنے میں حق بجانب ہیں تو ایک قدم آگے بڑھا کر یقینی طور پر جج صاحبان کی تنخواہیں بھی عام سرکاری گریڈوں سے بہت اوپر کر دی جائیں اس سے دوہرا فائدہ ہوگا اولاً ہمارے جج صاحبان سکون سے انصاف کی فراہمی کے لئے کوشاں ہو جائیں گے اور بشری تقاضے کے طور پر بھی خدانخوستہ BLACKMAIL ہونے کا امکان ختم ہو جائے گا اور ثانیاً دیگر شعبوں میں مسابقت کی طرح اس شعبے میں بھی اعلیٰ صلاحیتوں کے وکلاء داخل ہوں گے جو آئندہ عدل وانصاف کے تقاضے بدرجہ احسن پورے کر سکیں گے ہمارے اندازے میں عدلیہ کے جج صاحبان اور ان کے اہل کاروں کی تنخواہیں موجودہ تنخواہوں کا کم از کم 4 گنا کرنا ضروری ہیں تا کہ عدل کی فراہمی کے راستے میں سارے رخنے بند کئے جاسکیں۔

(2) وکلاء عدل و انصاف کا نام آتے ہی وکلاء برادری کا معزز طبقہ سامنے آتا ہے۔ عزت مآب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کے اعلان کے بعد میری رائے میں ہر سطح کی عدالت کے لحاظ سے وکلاء برادری کو جمع ہو کر عہد کرنا چاہیے کہ ہم انصاف کی فراہمی کا علم بلند رکھیں گے اور انصاف کے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ٹھوکر مار گرا دیں گے نیز وکلاء برادری کے منشی، دفتری اہل کار اور دیگر متعلقہ عملہ بھی اس احساس میں شریک ہو کر اپنا فرض ادا کرنے کا عہد کریں تو انصاف کی فراہمی میں آسانی پیدا ہوگی۔

(3) پولیس وکلاء کے بعد انصاف کی فراہمی کے لئے عدالتی نظام کا اہم ستون پولیس ہے۔ انصاف کی فراہمی کے لئے پولیس کا تعاون حاصل کرنا، اور وقوعہ کی اطلاع، ایف آئی آر، تفتیش گرفتاری، حوالات، جیل، پیشیاں، گواہیاں وغیرہ کے مراحل پر پولیس اہل کاران کا بے لوث اور بلا معاوضہ ڈیوٹی دینا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ تاہم پنجاب کے وزیر اعلیٰ صاحب نے ابھی پولیس کی تنخوائیں بڑھا دی ہیں تو عوامی سطح پر امکان پیدا ہوا ہے کہ شاید پولیس اہلکار اس سلسلے میں بے لوث تعاون فرمائیں گے۔ ہم تو پولیس کے لئے کوئی ضابطہ اخلاق تحریر کرنے کی پوزیشن میں

نہیں اور بنا بھی دیں تو اس کا نفاذ کیسے ہوگا؟ اس کے لئے عدالتی اور حکومتی سطح پر کام ہوسکتا ہے یا عوامی سطح پر انصاف کے لئے دباؤ ڈالا جائے تو رویوں کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

(4) مدعی/ مدعا علیہ انصاف کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کو مدعی اور مدعا علیہ کہا جاتا ہے۔ زیادتی دونوں سے ہوتی ہے انصاف میں تاخیر ناانصافی کی سب سے بڑی وجہ بلکہ بذات خود ناانصافی ہے۔ اس سلسلے میں مدعی/مدعا علیہ کی درخواستوں اور مقدمات کے کاغذات پر جو کورٹ فیس کے ٹکٹ لگتے ہیں ان پر بھی کچھ اخلاقی تعلیمات (SLOGANS) لکھے جا سکتے ہیں۔ اصطلاحات میں تبدیلی کی جاسکتی ہے مدعی کے لفظ کے ساتھ درخواست میں جہاں العبد لکھتے ہیں جو محکومی اور غلامی کی یادگار ہے وہاں انصاف کا طالب لکھا جا سکتا ہے اور مدعا علیہ کے لئے انصاف کا متلاشی کے الفاظ درج ہو سکتے ہیں۔

2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال بنانے کے لئے عوامی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں مساجد کے خطیب، علماء، فقہاء، مدرس، سکول ٹیچرز، پروفیسر وغیرہ سب بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ عمومی سطح پر کام کرنے کے لئے درج ذیل چند تجاویز ہیں۔

(1) حکومتی سطح پر (ا) میڈیا: سرکاری ٹی وی اور میڈیا پر انصاف کی فراہمی کے حق میں مہم چلائی جائے اور آئندہ دسمبر 2009ء تک مسلسل ڈرامے، سیریز، مذاکرے، تقاریر، تبصرے، غرض ہر ممکن طریقے پر انصاف کے حق میں عوامی شعور بیدار کیا جائے۔

الیکٹرونک میڈیا اور اخبارات و رسائل میں بھی غور وخوض کے بعد ایسی پالیسی بنائی جائے کہ انصاف کی ضرورت، اہمیت اس کے تقاضے اور ہر شخص کا انصاف کی فراہمی کے لئے کردار، مدعی، مدعا علیہ، پولیس سب کے لیے رہنمائی کا اہتمام کیا جائے۔ اور ہر فرد کو اجتماعی سطح پر اہمیت دے کر اس کام میں لگا دیا جائے تاکہ عوامی سطح پر مزدور، کسان، ریڑھی والے، دستکار، گداگر سب کی زبان پر انصاف کا لفظ آجائے اور انصاف کے حصول کی اہمیت واضح ہو جائے اور انصاف کے راستے میں رکاوٹ بننے والے عناصر کو بے نقاب کرنے کا کام کیا جائے۔ ہمارے سٹیج ڈراموں کو حکومت فنانس کر کے اگر انصاف کی فراہمی کے لئے چھ ماہ کے لئے استعمال کرلے تو بہت سارا کام ہوسکتا ہے۔

(2) **مساجد** مساجد میں لوگ نماز اور جمعہ کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں علماء اور خطباء کا احترام ہے لہٰذا علماء کرام اور خطباء عظام کو معقول لٹریچر/ کتب فراہم کی جائیں یا انہی کے مشورے سے دی جائیں تا کہ وہ دلائل سے مسلح ہو کر منبر و محراب کو اس مشن کے فروغ کے لئے استعمال کر سکیں۔

(3) **سیاسی رہنماء** سیاسی رہنماء اس سلسلے میں بڑا کام کر سکتے ہیں۔ ہر سیاسی رہنما اپنی جماعت اور ذمہ داران کے ساتھ ایک عہد نامہ کے ذریعے تجدید عہد کرے کہ وہ آئندہ ذاتی اور قومی سطح پر انصاف کو ممکن بنائے گا اور خود بھی انصاف کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔

(4) **سکولوں کالجوں کے طلباء** تعلیمی اداروں میں تقریری مقابلے، لیکچرز، تقاریر، مباحثے منعقد کرائے جائیں تا کہ انصاف کی بات گھر گھر پہنچ سکے۔ تعطیلات گرما میں طلباء کے اوقات کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور عوامی رابطے کے ذریعے لوگوں میں شعور پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(ب) **سرکاری اہل کار** صوبائی اور مرکزی حکومت کے اہل کاران اور سیاسی رہنماؤں کو ہر سطح پر انصاف کی فراہمی کا ذمہ دار بنایا جائے۔ گذشتہ دو تین عشروں سے ہماری سیاست کو جو مراعات کا چسکا لگا ہے اور ممبران قومی اسمبلی و ممبران صوبائی اسمبلی، نالیوں کی تعمیر اور گلیوں کی صفائی سڑکوں کے ٹھیکے دیتے، دلاتے حصہ دار بنتے اور کمیشن وصول کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کو اس کام سے قانون سازی کر کے علیحدہ کر دیا جائے۔ ان کو انصاف کی فراہمی کے کام کی نگرانی اور اپنے حلقہ کے لوگوں کو انصاف اور اپنے جائز حقوق پر قناعت پر قائل کرنے کا کام دیا جائے تو خاطر خواہ اور دیرپا نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ انصاف کا خون کرنے میں چھوٹے چھوٹے منصوبوں پر اپنے نام کی تختیاں لگانے کی دوڑ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ قانوناً طے کر دیا جائے کہ صرف صدر، وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ کے نام کی تختیوں کے سوا کسی وزیر مشیر کے نام کی تختی نہیں لگے گی صرف عہدہ کا ذکر ہوگا۔ ناظم کسی یونین کونسل کے کام کے افتتاح پر یوسی ناظم کے طور پر تختی لگائے گا نام درج نہیں ہوگا اس طرح ضلع کی سطح پر اور صوبائی اور مرکزی سطح پر بھی۔ اس سے عدالتی نظام میں دھونس اور سیاسی دباؤ اور اختیارات کے ناجائز استعمال اور اس کے اثرات سے گلوخلاصی ہو جائے گی۔

آخری مگر سب سے اہم بات

سب سے آخر میں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ انصاف کی فراہمی کے لئے اوپر درج کردہ جتنے طبقات کی اصلاح کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بھی بڑی اہم ہے۔اہل نظر کے نزدیک تو وہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے تاہم چند ماہ کی بات ہے۔ ذی شعور اور مخلص افراد پر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ ہم اجتماعی سطح پر جتنی مخلصانہ کوشش کریں گے اس درجہ میں زیادہ شدت کے ساتھ یہ بات ظاہر ہوگی کہ ــــــــــــانصاف کی فراہمی کے لئے 'موجودہ قانون' اور اس کے نفاذ کے طریقے (LAW & JUDICIAL PROCEDURES) سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ہم ہر چیز کی اصلاح کر لیں اگر ہمارے ملک کا قانون اور عدالتی طریق کار ہی ایسے ہیں جو انصاف کو قتل کر رہے ہیں تو پھر انصاف کہاں سے برآمد ہو جائے گا۔ ہمارے ملک کا موجودہ قانون بنیادی طور پر آج سے ڈیڑھ صدی قبل 1860ء میں مغربی استعمار کے نمائندوں نے باغی محکوموں کو جبراً قابو کرنے کے لئے بنایا تھا اور ہمارے لئے ان کا قانون (برطانوی اور یورپی مقبوضات) اور تھا اور خود ان کے اپنے ممالک میں قانون اور تھا۔ اگرچہ دونوں جگہ قانون بنیادی طور پر رومی قانون (ROMAN LAW) اور اینگلو سیکسن لاء (ANGLO SEXAN LAW) ہی تھا جو اپنی سرشت کے اعتبار سے ظالمانہ بلکہ بہیمانہ اور سفاکانہ ہے اور اپنے ''اصل'' کے لحاظ سے خدا ناشناس بلکہ خدا بیزار تھا۔

1947ء میں جب مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی اور فوراً اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اس مملکت کا قانون کیا ہوگا اور اس کی نوعیت کیا ہوگی۔ ملکی وملّی سطح پر ہماری اجتماعی کوتاہیوں میں سے بڑی کوتاہی وہ تھی کہ ہم نے تعزیرات ہند کو جو کہ استعماری قانون تھا ایک لفظ بدل کر تعزیرات پاکستان کر کے قبول کر لیا اور ملک میں نافذ کر دیا۔ اسی سانحہ کی قدرے تفصیل یہ ہے 1930ء میں مفکر پاکستان علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور پیش کیا تو برطانوی ہند کے مسلمانوں کو یہ اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر نظر آئی۔ مفکر پاکستان کی حیثیت سے علامہ اقبال اس بات سے غافل نہیں تھے اور یہ بات ممکن بھی نہیں تھی کیونکہ وہ نہ صرف خود ایک اعلیٰ پائے کے فلسفی،

قانون دان تھے بلکہ ایک عبقری شخص (GENIUS) تھے۔ان کی نگاہ میں یہ بات تھی اورانہوں نے برموقع کوشش بھی فرمائی کہ جامعۃ الازہر مصر سے کوئی انگریزی دان، ماہر فقہ اسلامی میسر آ جائے تو قانون اسلامی کی دور حاضر میں تدوین نو کر دی جائے جو مستقبل کی اسلامی مملکت کی بنیادی ضرورت پوری کر سکے۔مگر افسوس کہ مصر سے ایسا کوئی عالم میسّر نہ آ سکا۔مقامی سطح پر علامہ اقبال،مولانا انور شاہ کاشمیری کی صلاحیتوں اور علمی تبحر کے معترف تھے علامہ صاحب نے بہت کوشش کی اور خط و کتابت بھی کی کہ کسی طرح مولانا چھوٹے قصبے ڈابھیل سے لاہور منتقل ہو جائیں تو دونوں حضرات مل کر قانون اسلامی کی تدوین نو کا کام کریں۔اس لئے کہ قانون اسلامی کی گزشتہ تدوین یا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کی تھی یا فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں اورنگزیب رحمہ اللہ نے کی تھی۔مگر یہ دونوں قانونی مصادر دور حاضر کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تھے کہ من وعن نافذ کر دیئے جائیں۔

اگر اللہ کو منظور ہوتا اور علامہ اقبال کی خواہش کے مطابق یہ تدوین فقہ اسلامی ان دو عظیم شخصیات کے ہاتھوں پوری ہو جاتی تو بعد میں ممکن ہے جو نیشلسٹ علماء مسلم لیگ سے غیر مطمئن رہے وہ سانحہ بھی نہ ہوتا۔مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ۔ناگزیر وجوہات کی وجہ سے مولانا کاشمیری صاحب لاہور منتقل نہ ہو سکے۔اور علامہ اقبال کی وفات کے باعث یہ کام شروع بھی نہ ہو سکا۔بعد ازاں 1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد تو سیاسی سطح پر ایسا طوفان آیا اور واقعات اس تیزی سے رونما ہوئے کہ اس کام پر قائداعظم بھی توجہ نہ کر سکے۔لہٰذا مجبوراً قیام پاکستان پر ''تعزیرات ہند'' کو ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ ''تعزیرات پاکستان'' کے طور پر قبول کرنا پڑا اس لئے کہ قانونی سطح پر خلا نہیں رہ سکتا۔بعد میں ہمارے وزیراعظم لیاقت علی خان نے بھی یہی کہا کہ متفقہ اسلامی قانون آ جائے تو نافذ ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ بعض ناگفتی وجوہات کی بنا پر متفقہ مسودہ قانون پیش نہ ہو سکا اور آج تک نہیں ہو سکا۔علماء نے اپنے اتفاق رائے سے 31 علماء کے 22 متفقہ نکات پیش کر دیئے جو کسی مزید کام کی بنیاد تو بن سکتے ہیں بذات خود ملکی قانون کے حوالے سے اہمیت نہیں رکھتے اس کے بعد مزید بحثیں چلیں تو قانون سے زیادہ اجتہاد اور ملکی قانون میں ترامیم (AMENDMENTS) کی اہمیت اور طریق کار کی طرف گفتگو کا رُخ مڑ گیا اور سارا

زوراس بات کے طے کرنے میں صرف ہوتا رہا سلامی قانون سازی (AMENDMENTS) علماء کریں گے پالیمنٹ کرے گیجبکہ ضرورت ابھی بنیادی قانون کے نفاذ کی تھی اوراب بھی ہے۔

ذراچشم تصور سے دیکھئے کہ اگر اگست 47ء سے قبل تدوین قانون کا مرحلہ طے ہو چکا ہوتا تو اس کے نفاذ میں کتنی دیر لگتی چند گھنٹوں کی کاروائی کا معاملہ تھا۔ جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے الگ تھلک بیٹھ کر فقہ اسلامی کی تدوین کا کام کیا کہ وہ ملکی ضرورت تھی اور دور صحابہ ﷺ کے باہمی اعتماد اور وثوق کے بعد اب ایک معین دفعہ دار قانون کے نفاذ کا مرحلہ سامنے آنے والا تھا۔

لہٰذا ــــــــــــ عباسی حکومت کے استحکام کے ساتھ ہی اسلامی قانون کی موجود شکل فقہ حنفی نافذ کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اسی طرح اب بھی ضرورت ہے کہ تدوین فقہ اسلامی ہو اور یہ کام 31 علماء کے 22 متفقہ نکات کے تابع ہی ہوتا کہ متفقہ قانون سامنے آسکے سرکاری سطح پر کام اولاً تو ہوتا ہی نہیں اسلامی نظریاتی کونسل نے جتنا کام کیا ہے وہ عوام کی نظروں میں مجموعی طور پر قبول عام حاصل نہیں کر سکا۔ ہمیشہ حکمران طبقے نے اس میں اپنے پسند کے علماء داخل کر کے اپنی پسند کا قانون سامنے لانے کی سعی کی ہے۔

ہماری ناقص رائے میں انصاف کی فراہمی کا سال 2009ء کے اختتام پر جو بھی REVIEW ہوگا اور TARGETS کے حصول کا میزانیہ بنے گا تو ــــــــــــ اہداف کے حاصل نہ کر سکنے کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ ہمارے ملک کے قانون اور عدالتی طریق کار (بشمول پولیس کا نظام تفتیش) سامنے آئے گی لہٰذا اس وقت ملکی سطح پر اجتماعی احساس اور شعور ابھرے گا کہ اسلامی قانون کو نافذ کیا جائے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس احساس کو اگر کسی قائمہ کمیٹی یا کمیشن کے حوالے کر دیا جائے تو ایک طویل کام ہے۔ حکومت ختم ہو جائے گی نئی حکومت بنے گی اس کی ترجیحات اور ہوں گی ہیں۔ اور بین الاقوامی مداخلت سے اس کام کو معلق کر دیا جائے۔ نئی کمیٹی بنے گی ــــــــــــ حتیٰ کہ کام شروع کرنے لگیں گے کہ حکومت بدل جائے گی لہٰذا ــــــــــــ نتیجہ یہ ہے کہ کام نہیں ہوگا۔

اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے بہی خواہ حضرات اس بات پر غور فرمائیں اور اس تاریخی ضرورت بلکہ ''قرض'' اور ''فرض'' کا احساس کریں اور اسلامی نظریاتی کونسل نہ سہی، نظریہ

پاکستان ٹرسٹ (یا کسی اور فورم) کے زیر اہتمام علماء، ریٹائرڈ جج صاحبان اور ماہرین قانون کو جمع کر کے اسلامی قانون کی تدوین نو علامہ اقبال کی خواہشات کے مطابق کر دی جائے تو جیسے ہی ضرورت کا احساس ہوگا اور اندرونی داعیہ پیدا ہوگا ان شاءاللہ تعزیرات پاکستان کے نفاذ کی طرح اس قانون اسلامی کے نفاذ میں بھی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ بشرطیکہ وہ قانون اسلامی سابقہ متفقہ بنیادوں پر آگے بڑھا کر اتفاق رائے سے مکمل کیا گیا ہو۔

وقتی طور پر یہ بات شاید دیوانے کا ایک خواب ہی محسوس ہوگا تاہم یہ بات ایک اجتماعی ضرورت ہے اور انصاف کی فراہمی کے سلسلے میں سب سے زیادہ ضروری کرنے کا کام ہے ابھی بات واضح نہیں تو کوئی بات نہیں 2009ء کو انصاف کا سال قرار دیگر تجربہ کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تو بھی نقصان کا سودا نہیں صبح کا بھولا شام کو بھی گھر آ جائے یا 1947ء کا کام 2009ء میں بھی مکمل ہو جائے تو ملکی اور اجتماعی سطح پر زیادہ تاخیر نہیں ہوئی۔ بقول اقبال ؎

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی — کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس وخاشاک سے ہوتا ہے گلستان خالی — گل برانداز ہے خون شہداء کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے — یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

جاگ مسلمان جاگ

پروفیسر علی حسن مظفر
پرنسپل شبلی کالج گوجرانوالہ

کہتے ہیں کہ سوئے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے مگر جاگے ہوئے کو جگایا نہیں جا سکتا۔ مثلاً ایک آدمی اگر واقعی سو رہا ہے تو وہ آواز سے یا شور سے اٹھ جائے گا مگر جس نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کی ہوئی ہیں وہ آواز تو کیا ڈھول کے شور سے بھی نہیں اٹھ سکتا۔ آج مسلمان کی بالکل یہی کیفیت ہے کہ ان کو موجودہ نسل کی تباہی اور آنے والی نسلوں کی بربادی صاف نظر آ رہی ہے اور ان کو خبر دینے والے خبر بھی دے رہے ہیں کہ مسلمانوں ہوش کرو! مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ بس کوئی کھال مست ہے کوئی حال مست ہے اور کوئی مال مست ہے اور ان کو احساس تک نہیں کہ یہ مستی ان کو کس طرف لے جائے گی لیکن جب کسی قوم کو اپنے زیاں کا احساس ہی نہ رہے تو اس کو دنیا کی کوئی طاقت بیدار نہیں کر سکتی اور یہ کسی قوم کی بدنصیبی کی انتہا ہوتی ہے۔

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

میں نے آج سے 20 سال پہلے ایک کتاب ''جاگ مسلمان جاگ'' لکھی تھی اس میں قرآن کریم کی ارتقائی تعلیم کے حوالے سے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر انہوں نے ہوش نہ کی تو یہود و نصاریٰ ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا، جس کا ثبوت آج افغانستان اور عراق کی تباہی کی صورت میں سب کے سامنے ہے۔ مسلمان شاید خود تو احساس کر رہے ہوں کہ وہ بحیثیت قوم نہ صرف زوال و انحطاط کا شکار ہیں بلکہ 'دہشت گرد' اور 'بنیاد پرست' کے القابات

سے بھی سرفراز ہو چکے ہیں مگر مذہبی پیشواؤں کے ایک ایسے طبقے کے گھیراؤ میں ہیں جوان کے اس احساس کو یہ کہہ کر ختم کر دیتا ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے آزمائش ہے وہ صبر کریں اللہ ان کو صبر کرنے کا اجر دے گا، بس وہ اللہ سے دعا کریں کہ امریکہ کو نیست و نابود کر دے اور مسلمان جہاں جہاں بھی مظلوم و مجبور ہیں وہ ان کی مدد فرمائے۔ اور مسلمان اپنے مذہبی پیشوا کی یہ بات سن کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یقین جانیے! یہ سب مذہبی پیشواؤں کی غلط بیانی ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی کوئی آزمائش نہیں بلکہ جرم ضعیفی کی سزا ہے جس کی نشان دہی علامہ اقبال بہت پہلے کر گئے ہیں:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

کیسے تعجب کی بات ہے کہ 50/60 سال سے مسلمان دعائیں کر رہے ہیں کہ یا اللہ کشمیر اور فلسطین کو استبدادی قوتوں سے نجات دے، مظلوم کشمیریوں اور فلسطینیوں کو ظالموں کے پنجوں سے آزاد کر۔ لیکن ہوا یہ کہ کشمیر اور فلسطین نے تو کیا آزاد ہونا تھا بلکہ عراق اور افغانستان بھی ظالموں کے پنجوں میں چلے گئے۔ ایسا کیوں؟ اس لئے کہ وہ مذہبی پیشواؤں کی باتوں میں آ کر اُس طریقہ کار کو بھول گئے جس کو رسول کریم ﷺ نے اختیار کیا تھا۔

کون نہیں جانتا کہ رسول کریم ﷺ اعلان نبوت کے بعد پہلے دن ہی رسول تھے اور بقول مذہبی پیشواؤں کے اُن کو سب قوتیں حاصل تھیں اور آن کی آن میں دشمنوں کو قابو میں کر سکتے تھے لیکن اس کے برعکس انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے مکہ میں قیام کے دوران ہر قسم کی تکلیف برداشت کی، پتھر بھی کھائے، ساتھیوں نے کوڑے بھی کھائے، گرم ریت پر جسموں کو بھی جھلسایا، شعب ابی طالب کی قید بھی کاٹی، دشمن کی ہر قسم کی سختیاں بھی برداشت کیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاونت بھی حاصل کی، اس کے باوجود دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کی، مدینہ جا کر بھی مزاحمت کی پالیسی کی بجائے مفاہمت کی پالیسی اختیار کی، یہودی بستیوں کے ساتھ میثاق کیا، ان کے ساتھ بھائی چارے کی فضا ہموار کی۔ اس حکمت عملی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تنظیم سازی، افرادی قوت اور جنگی مہارت کے حصول کے لئے بھی کوشاں رہے اور یوں 13 سال کی مکی اور 2 سال کی مدنی کدّ و کاوش کے بعد وہ 313 جانثار تیار کرنے

میں کامیاب ہوئے اور پھر 2 ہجری میں جنگ بدر کا معرکہ ہوا اور ایک شدید لڑائی کے بعد رسول کریم ﷺ کو فتح حاصل ہوئی۔

یہ ہے وہ سنت رسول ﷺ جس کو مسلمان بھلا چکے ہیں کہ اپنے آپ کو دشمن کے مقابلے کے لئے تیار کرنے میں رسول کریم ﷺ نے 15 سال صرف کیے۔ایک طرف تو یہ سنت رسول ﷺ ہے کہ دشمن سے اس وقت تک نہ ٹکراؤ جب تک مکمل تیاری نہ کرلو اور دوسری طرف یہ سنت الٰہی ہے کہ اللہ بھی مدد اس کی کرتا ہے جو اپنے آپ کو پہلے اس قابل بناتے ہیں کہ وہ اللہ کی مدد لینے کے اہل ہو جائیں۔اور اس حقیقت کی طرف علامہ اقبال نے بھی اشارہ کیا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

فضائے بدر کیا ہے؟ میدان کارزار ہے۔دونوں طرف فوجیں صف آرا ہیں، دونوں فوجیں اپنے وقت کی ٹیکنالوجی سے لیس ہیں۔اس وقت کی جنگی ٹیکنالوجی تیر، تلوار اور گھوڑا تھے، اُس وقت بھی ہارس طاقت کا بنیادی یونٹ ہے آج بھی ہارس طاقت کا بنیادی یونٹ ہے جس کو وقت کی رفتار نے ہارس پاور میں تبدیل کر دیا ہے، اُس وقت میدانی لڑائی تھی اور لڑائی کا ایریا بھی محدود تھا تیر، تلوار سے جنگ لڑی جا سکتی تھی؛ آج ہوائی لڑائی ہے اور ایریا بھی لامحدود ہے اس لئے تیر تلوار کی جگہ میزائل، لانچر اور ایٹم بم نے لے لی ہے۔اب سوال یہ کہ مسلمانوں کو سنت رسول ﷺ اور سنت الٰہی سے کس نے بے خبر رکھا ہے ان کو حقائق سے بے خبر رکھ کر، کرامتوں اور مفروضوں میں کس نے الجھایا ہے؟ اور کیوں الجھایا ہے؟ آخر اس قسم کا الجھاؤ پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا؟ یہ سوالات جس قدر سادہ ہیں کہ ان کے جوابات اسی قدر مشکل ہیں کیونکہ جس فضاء میں ہم رہ رہے ہیں اس میں حقائق بیان کرنے کی سزا فتوی یا پتھر ہے اور ساتھ ریاست کا جبر بھی۔میں اپنی 15/16 کتابوں میں ان سوالات کا جواب تفصیل سے دے چکا ہوں جسے دھرانا تو اس وقت ممکن نہیں لیکن اختصار کے ساتھ بیان کیے دیتا ہوں۔

ہر دور میں تین شخص ایسے ہوتے ہیں جو اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے عوام الناس کو حقائق سے نا آشنا رکھتے ہیں تا کہ لوگ بے شعوری اور جاہلیت کی حالت میں رہیں اور ان کی

غلامی کرتے رہیں۔ان تینوں کا قرآن مجید میں تین تمثیلی ناموں سے ذکر کیا گیا ہے جن میں ایک کا نام فرعون ہے دوسرے کا نام قارون اور تیسرے کا نام ہامان ہے۔فرعون لوگوں کو رعایا بنا کر خود حاکم بنا رہنا چاہتا ہے، قارون لوگوں کو مزدور بنا کر خود سرمایہ دار بنا رہنا چاہتا ہے، اور ہامان لوگوں کو مرید بنا کر خود مذہبی پیشوا بنا رہنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ فرعون اور قارون کی سختیوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے مگر دین اسلام کو سب سے زیادہ نقصان ہامان (مذہبی پیشوا) نے پہنچایا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ مذہبی پیشوائیت کا یہ وہ باطل نظام ہے جسے ختم کرنے کے لئے خدا کا نور (قرآن) اور خدا کا نبی (محمد ﷺ) آیا (سورۃ التوبہ)۔قرآن نظام پیشوائیت کی سخت مخالفت کرتا ہے اس لئے وہ بار بار تنبیہ کرتا ہے کہ مذہبی پیشواؤں کی خود ساختہ باتوں پر یقین نہ کرو اور جو لوگ خود ساختہ شریعت کو الہام و کشف کی آڑ میں وحی خداوندی کا درجہ دیں تو ان کے مسلک کی پیروی مت کرو۔(سورۃ التوبہ)

یاد رکھو! دین نہ انفرادی مسلک کا نام ہے اور نہ ہی گروہ بندیوں کا؛ لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ سب کے سب بلا استثنا اجتماعی طور پر دین اسلام کے ساتھ وابستہ رہیں اور امت کو فرقوں میں تقسیم نہ کریں کیونکہ فرقہ بندی شرک ہے (30/31) اور پارٹی بازی خدا کا عذاب ہے (6/65) اس لئے یہ دونوں تباہی کا باعث ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو ایک جماعت (امت واحدہ) بنایا ہے، جب کوئی الگ گروہ (فرقہ) بنالیتا ہے تو وہ وحدت امت کو پارہ پارہ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔اب جس طرح الوہیت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا شرک ہے، جو ناقابل معافی گناہ ہے اسی طرح امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اس کو فرقوں میں تقسیم کرنا شرک اور ناقابل معافی گناہ ہے۔اور اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہی مسلم امہ کا گناہ عظیم ہے جس کی وجہ سے آج یہ ساری دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہی ہے۔ یہ آج ہم اسی گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں کہ ہم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جعفری ہیں مگر مسلمان نہیں۔کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ رسول کریم ﷺ یا خلفاء راشدہ رضی اللہ عنہم حنفی، شافعی، حنبلی، جعفری، اہل حدیث یا اہل سنت نقش بندی، دیوبندی، چشتی، صابری اور بریلوی تھے یا صرف اور صرف مسلمان؟۔

آج کا یہی لمحۂ فکریہ ہے کہ جن کو ہم نفرت سے یہود و نصاریٰ کہتے ہیں وہ سب ایک

ہیں اور ہم جو اپنے آپ کو فخر سے مسلمان کہتے ہیں، نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ امریکہ کی اس وقت پچاس ریاستیں ہیں اور وہ ایک ملک ہیں ہماری اس وقت چار ریاستیں ہیں ہم ایک ملک نہیں۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں ایک وجہ ان کا فکری جمود ہے جو مذہبی پیشواؤں نے پیدا کر رکھا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مفروضوں کی بجائے حقیقتوں کا مطالعہ کریں اور اس بات کو تسلیم کریں کہ یہ عالم جامد نہیں محرک ہے اس عالم میں سکون و ثبات نہیں تغیر و تبدل ہے۔ علامہ اقبال نے اس عالم کے حرکی (DYNAMIC) اور ارتقائی (PROGRESSIVE) تصور پر بہت زور دیا ہے ان کے نزدیک تمام موجودات عالم۔ جن میں انسان بھی شامل ہے۔ قانونِ حرکت و تغیر کے تابع ہیں۔ انہوں نے اپنے ارتقائی نظریات کا اظہار اپنی نظموں میں بھی کیا ہے کیونکہ تغیر اور ارتقاء کا تصور علامہ اقبال کی فکر کا نہایت اہم جزو ہے۔ چنانچہ انہوں نے خطبات مدارس میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے ان کا دعویٰ ہے کہ ــــــــــــ ''کائنات ایک ترقی پذیر حقیقت ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات ایک مکمل تخلیق ہے جس کو اس کا خالق مدت گزری ایک بار تخلیق کر کے الگ ہو گیا، اب یہ کائنات مادے کا بے جان ڈھیر ہے جس پر وقت کا کوئی اثر نہیں ہوتا'' ــــــــــــ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ خدا کا تخلیقی عمل مسلسل جاری ہے ہر لحظہ نئے ایٹم وجود میں آتے ہیں اور کائنات ہمیشہ بڑھتی پھیلتی رہتی ہے اور کوئی شے ثابت و قائم نہیں۔

علامہ اقبال انسان کے دنیاوی ارتقاء کے بھی قائل تھے اور وہ ارتقائے زمانہ کو قرآن کی روح کے عین مطابق سمجھتے تھے ان کے مطابق یہ مسلسل عمل ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گا ان کے کہنے کے مطابق:

کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

علامہ اقبال کے نزدیک زندگی میں جمود تباہی ہے، علامہ اقبال کو آج کے اسلام سے سب سے بڑی شکایت ہی یہ ہے کہ اس نے اجتہاد کی ضرورت کو فراموش کر دیا جو جمود توڑنے کے لئے بہت ضروری تھا، اس بندش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند روایتی مولویوں نے اس معاشرے

کولکیر کا فقیر بنا دیا جو آج بھی انسان کو چودہ سو سال پیچھے دھکیل رہے ہیں حالانکہ زمانہ تغیر و حرکت کے اصولوں پر آگے بڑھ رہا ہے ان روایتی مولویوں کی آج بھی یہ خواہش ہے کہ آدمی اونٹوں پر حج کے لئے جائے اور فلش کی بجائے مٹی کے ڈھیلوں سے وٹوانی کرے حتیٰ کہ مٹی کے پیالے میں کھائے اور صفوں پر زندگی بسر کرے۔

علامہ اقبال بنیاد پرستی اور ماضی کے احیاء کے سخت خلاف ہیں ان کی نظر میں تاریخ کا غلط احترام اور اس کی مصنوعی احیاء قوموں کے ارتقاء کے منافی ہے وہ اس بنا پر ترکوں کی تعریف کرتے ہیں جنہوں نے اجتہاد سے کام لیا اور رجعت پسند مذہبی پیشواؤں کی نفی کی۔

حوالہ: (RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT)

یہ اس شخص کا انداز فکر ہے جس کو مفکّر پاکستان حکیم الامت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے لیکن پاکستان کے ارباب حل وعقد اور علماء کرام کا انداز فکر علامہ اقبال کے انداز فکر کی عین ضد ہے۔ یہ حضرات حقائق ہستی کو جامد و ساکت خیال کرتے ہیں اور حرکت وتغیر کے نام سے کانپتے ہیں ان کی نظر میں اسلام پتھر کا کوئی بے جان بت ہے جس پر انقلابات زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا حالانکہ چودہ سو سال پہلے کے انسان کی زندگی اور آج کے انسان کی زندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اگر کسی روایت پر اعتبار کرتے ہوئے یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پہاڑ کے پیچھے دُور تک پہنچ گئی تھی۔ اب تو ہندوؤں، سکھوں، کافروں، دھریوں اور بچوں کی بھی آوازیں دور دور تک ہی نہیں پہنچ رہیں بلکہ پہاڑوں کی خشک چوٹیوں، سمندر کی انتہائی تاریک گہرائیوں اور زمین کی انتہائی دبیز تہوں تک پہنچ رہی ہے یہ ترقی آواز تک محدود نہیں۔ یہ سب کچھ آج کا انسان اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ رہا ہے جو اُس دور کی زبان میں معجزات ہیں۔

یہی ہے وہ غیر تاریخی طرز فکر جس کے تحت بعض مذہبی پیشوا اور اَن پڑھ لوگ ارتقاء کی مخالفت کرتے ہیں اور اجتہاد کی بجائے تقلید اور معقولات کی بجائے منقولات کو ہی اسلام سمجھتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہم ایٹمی دور کی دنیا کے مقابلے کیونکہ زندہ رہ سکیں گے۔

اس دور میں باعزت زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ارتقائے زمانہ پر ایمان رکھتے ہوئے ایجادات و اختراعات کی طرف بڑھیں۔ ان معاملات میں یا ایسے کسی دوسرے

معاملہ میں اگر کوئی پرانی روایت کی رکاوٹ آئے تو اس پر اجتہاد کریں اور معاملات حاضرہ کو تقلیدی عمل پر موقوف نہ کریں بلکہ اجتہاد کے ذریعے نئی ضرورتوں کے مطابق حل کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو اسلام کو کبھی بھی نئی ضرورتوں سے ہم آہنگ نہیں کر سکیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی دوڑ میں بھی پیچھے رہ جائیں گے اور اپنے مذہب کو بھی اس حد تک فرسودہ بنا دیں گے کہ وہ دنیا کے مذاہب کا مقابلہ نہیں کر سکے گا جس سے اس کی سربلندی کا دعویٰ ختم ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ کا نام، رسول ﷺ کا پیغام اور اسلام کا احترام دنیا میں قائم و دائم رہے تو ہمیں وہ تمام دیواریں توڑنا ہوں گی جو اس کی راہ میں مذہبی پیشوائیت نے حائل کر رکھی ہیں اور اس مذہبی تعلیم کے خلاف اجتہاد کرنا ہوگا جو روایات کی بنا پر مسلمانوں پر اس غرض سے مسلط کر دی گئی ہیں کہ یہ ذہن غلامی میں مبتلا رہ کر مذہبی پیشوائیت کے زیر اثر رہیں۔ آج دنیا میں جو اسلام کی حرکت بن رہی ہے یا اسلام کو جو ذلت کا سامنا ہے وہ اسی روایتی مذہبی تعلیم کی وجہ سے ہے جس کا اسلام اور اسلام کی ارتقائی تعلیم سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اسلام سلامتی کا درس دیتا ہے جبکہ آج اسلام کو دہشت گردی کی علامت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ مذہب اور خدا کے نام پر قتل و غارت، دہشت گردی، سنگساری اور ناحق کوڑے بازی کی کوئی اجازت نہیں۔ اگر آج کوئی گروہ اسلامی شریعت ملک میں نافذ کرنا چاہتا ہے تو اسے اسلام کا تعزیراتی رُخ نہیں اس کا امن و سلامتی کا رُخ پیش کرنا ہوگا تاکہ لوگ اسلام میں سکون اور امن محسوس کریں نا کہ خوف اور دہشت۔

20 قدآور شخصیات پر سیمیناروں کا سلسلہ (11)

حکیم الامت، مجدد ِملت، داعیٔ اتحاد امت

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

(1707ء ـــــ 1763ء)

انجینئر مختار فاروقی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مغل فرمان روا اورنگزیب عالمگیر کے سنہری عہد کے آخری سالوں میں 1703ء میں ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ شاہ عبدالرحیم کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے اور مغلیہ سلطنت کے دورِ زوال کے پُر آشوب زمانے میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو خارجی لحاظ سے مرہٹہ قوت کی متشدّدانہ کاروائیوں وغیرہ اور داخلی طور پر بے عملی کے خلاف جدوجہد میں زندگی گزار کر (قمری لحاظ سے) 63 سال کی عمر میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اٹھارویں صدی جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے بڑی کٹھن اور مشکلات سے گھری ہوئی صدی ہے ہر چہار طرف سے بڑے مہیب اور خوفناک خطرات نے امتِ مسلمہ کو گھیر لیا تھا۔

☆ ایک طرف یورپی استعمار اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ وسعت پذیر تھا اور 1600ء میں تشکیل دی گئی EIC (EAST INDIA COMPANY) بنگال کے پورے ساحلی علاقوں پر قابض ہوتی جارہی تھی، مقامی لوگوں میں ہندو محکوم تھے اور مسلمانوں سے زخم خوردہ بھی تھے؛ لہٰذا وہ انگریز کے فطری حلیف تھے اور اس دوستی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ EIC کو 1750ء کے لگ بھگ یہ جرأت ہوئی کہ وہ بنگال پر قبضے کا منصوبہ بنائے۔ اور 1753ء میں بنگال کے حکمران نواب سراج الدولہ سے لڑ کر انہوں نے بنگال پر قبضہ کرلیا۔ ہندو کا کردار سخت منافقانہ رہا۔ مسلمانوں میں سے بھی ایک گروہ نے انگریز سے مراعات اور بہتر مستقبل کے عوض اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے غداری کر کے اس اقدام کو ممکن بنایا۔ مشہور شعر

جعفراز بنگال وصادق از دکن
ننگِ دین ننگِ قوم ننگِ وطن

میں جعفراز بنگال سے مراد نواب سراج الدولہ کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کر کے شکست کا سبب بننے والے میر جعفر تھے۔

☆ دوسری طرف ہندو قوم جو گزشتہ دو تین صدیوں سے بیدار ہو کر اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے مسلمانوں سے انتقام لینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ پہلے اس نے مذہبی میدان میں سکھ مذہب کھڑا کر کے مسلمانوں کی تعلیمات کا کچھ حصہ اپنے اندر سمو کر مقامی آبادی کے مسلمان ہونے کے عمل کو روکنے کی سعی لاحاصل کی تھی۔ سکھ تحریک دراصل مذہبی کم اور سیاسی تحریک زیادہ تھی ورنہ اس کے ہاتھ میں کرپان کی بجائے 'مالا' ہوتی اور سکھ ''گُرو'' مسلسل تین صدیاں مغل حکمرانوں سے برسر پیکار نہ رہتے بلکہ دوسرے مذاہب کی طرح اپنی مذہبی سرگرمیوں میں مصروف رہتے۔ اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ سکھ مذہب کے اہم گرو مغل حکمرانوں سے مسلسل حالت جنگ میں رہے اگرچہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ مغل سلطنت کے زوال کے وقت اور اس کے بعد انہوں نے زور پکڑا اور پنجاب، سرحد اور کشمیر کے بعض علاقوں میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

ہندو قوم دوسری طرف جنوبی ہند سے مرہٹہ قوت تیار کر کے مغلیہ سلطنت پر قبضے کا خواب دیکھ رہی تھی اور موقع کے انتظار میں تھی۔ مغل بادشاہ اورنگزیب نے اس مرہٹہ قوت کو 25 سال تک دکن تک محدود رکھا اور اس طویل جنگ میں وہ اپنی 50 سالہ حکمرانی کے دوران 25 سال دارالحکومت سے باہر اس فتنہ کو ختم کرنے میں مصروف رہا تھا۔ اس سے اس فتنہ کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات (1707ء) کے بعد آہستہ آہستہ یہ فتنہ دوبارہ اُٹھا اور دہلی تک اس کی زد میں آ گئے۔

تیسری طرف روسی ترکستان کے علاقے میں نادر شاہ نامی بادشاہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور مغلیہ سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے وہ دہلی پر حملہ (1739ء) کر کے وہاں لوٹ مار کرنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ اس نے مستقل قیام کی کوشش نہیں کی اور جلدی واپس چلا گیا۔ نادر شاہ کے اس حملہ سے مغلیہ سلطنت کی داخلی کمزوریوں کا بھرم کھل گیا اور انتظامی بدنظمی اور سیاسی خلفشار عروج

پر پہنچ گئے۔مرکز گریز عناصر اور مرہٹہ قوت کو اس سے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے راستہ صاف نظر آیا اور اس طرح مرہٹہ قوت کی سرگرمیاں بڑھ کر دہلی تک پہنچ گئیں۔

چوتھی طرف مسلمانوں کے اندر باہمی خلفشار اور فکری انتشار کے ساتھ بے عملی اور حکمرانوں کی دیکھا دیکھی عام آسودہ حال طبقے میں بھی عیش پرستی، لہو ولعب، آرام پرستی، جوا اور شراب جیسی لعنتیں در آئی تھیں۔مسلمان عوام کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمران طبقہ ــــــــــ خاندان مغلیہ بھی داخلی انتشار کا شکار ہو گیا۔مغل بادشاہ اکبر کی بے دینی اور ارتداد کے ردّعمل میں مسلمانوں میں ایک عمومی بیداری پیدا ہوئی اور اہل علم و اہل دانش مخلص حضرات نے اسلام کی خدمت کو اپنا شعار بنایا جن میں شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نام بہت نمایاں ہیں اس مثبت کام کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ مغلیہ خاندان میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہو گئے اور ایک صدی کے اندر ہی بات جہانگیر کی شراب و کباب سے توبہ سے لے کر اورنگزیب عالمگیر کے فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں اسلامی قوانین کے مکمل نفاذ تک جا پہنچی۔ذاتی کردار کے اعتبار سے بھی اورنگزیب کا معاملہ مسلمان بادشاہوں میں بھی نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور اپنی مثال آپ تھا۔

یہ بات اسلام دشمن لوگوں کو ہضم نہیں ہو سکتی تھی۔لہٰذا مسلمانوں کے اندر سے مرکز گریز عناصر کو شہ دی گئی اور آخری حربے کے طور پر ایوان سلطنت میں خلفشار پیدا کرنے کے لئے کوششیں تیز ہو گئیں۔ ہوا یہ کہ فتاویٰ عالمگیری چونکہ اہل سنت کے متفقہ عقائد کا مجموعہ تھا اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت 99% کی سوچ کا عکاس تھا اس کو ختم کرنے کے لئے اسلام دشمن قوتوں نے کاری وار کیا اور اہل سنت کے مقابلے میں شیعہ مسلک کو فروغ دینے کا کام شروع ہوا اور اس کی انتہا یہ کہ اورنگ عالمگیر کا بیٹا محمد معظم عالم شاہ بہادر شاہ اوّل جب حکمران ہوا- جو کہ خود بھی بڑا عالم فاضل تھا- اس نے یہ سرکاری اعلان جاری کر دیا کہ اس نے بھرپور مطالعہ کے بعد مذہب شیعہ کو 'حق' جان کر اس کو اختیار کر لیا ہے۔اس فیصلے سے خود مقتدر حلقے میں خلفشار پیدا ہو گیا اور خاندان مغلیہ جو دو صدیوں سے اہل سنت کے مسلک پر چلا آ رہا تھا اور اسلامی شریعت کا نفاذ اس کا نقطہ عروج تھا ــــــــــ اس کی ساری محنت اور کام زمین بوس ہو گیا اور خاندان مغلیہ

کے اندر گھر گھر بحث وتمحیص کے دروازے کھل گئے اور صلاحتیں تقسیم ہوگئیں جس سے حکومتی استحکام میں تزلزل آ گیا اور مغلیہ اقتدار بےلنگر کے جہاز کی طرح ہچکولے کھانے لگا اور حکمران یکے بعد دیگرے تیزی سے بدلنے لگے۔ تا آنکہ ــــــــــــــ اسی بدنظمی، افراتفری اور ذاتی اغراض کی جنگ کے پیش نظر افغانستان سے نادرشاہ نے حملہ کر کے دہلی کو تاخت وتاراج کر دیا اور قتل عام کیا، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا مگر حالات کی ناسازی کے باعث وہ جلد ہی واپس لوٹ گیا۔ خاندان کے اس داخلی مذہبی انتشار نے مغلیہ حکومت کے زوال میں بہت بنیادی کردار ادا کیا۔ اور اسلام دشمن عناصر کے لئے کامیابیوں کا راستہ کھول دیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے شعور کی آنکھ کھولی اور حالات کا بغور مشاہدہ کیا۔ شاہ صاحب نے حج بیت اللہ کے لئے حرمین شریفین کا سفر کیا اور حصول علم کی خاطر وہاں کچھ عرصہ رُکے رہے۔ وہاں ان کی ملاقات شیخ محمد بن عبدالوھاب سے رہی جو شاہ صاحب کی طرح شیخ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ سے حصول علم کر رہے تھے، اس قیام کے دوران شاہ صاحب کو بلادِ اسلامیہ سے آنے والے اہل علم و دانش سے تبادلہ خیالات کا بھرپور موقع ملا اور ایران، ترکستان، افریقہ، انڈونیشیا، ملائشیا، ترکی غرض عالم اسلام کے مسلمانوں کے حالات وخیالات جاننے کا موقع ملا۔ شاہ صاحب نے انہی مواقع سے فائدہ حاصل کر کے امت مسلمہ کے لئے آئندہ کے لائحۂ عمل اور اس کی تیاری کے لئے اپنی تصنیفات کا سہارا لیا اور اپنے شاگردوں کو اس کے لئے تیار بھی کر دیا۔

عالمی حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے جب شاہ صاحب نے وطن واپس پہنچ کر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے حالات کو دیکھا تو انہیں مسائل کا ایک انبار نظر آیا۔ چنانچہ انہوں نے کمال پامردی سے دہلی میں مقیم ہوکر ان حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور انہوں نے جن اہم امور پر توجہ دی ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

☆ مسلمانوں کی عمومی رہنمائی اور بیداری کے لیے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ بات یاد رہے کہ اس دور میں مسلمانوں کی سرکاری زبان فارسی تھی اور تمام اہل علم فارسی جانتے تھے اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ (اگرچہ بےعمل علماء وصوفیاء اور جاہل عاملوں اور

تعویذ گنڈا کرنے والے طبقات میں اس سے بے چین پھیل گئی اور شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ بھی کرایا گیا۔)

☆ قرآن مجید پر اہل علم کے غور وفکر کیلئے بنیادی اصولوں کی وضاحت فرمائی اور ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' نامی کتاب تحریر فرمائی جو آج بھی اپنے موضوع پر ایک مستند تحریر تصوّر کی جاتی ہے۔

☆ یورپی استعمار کی آمد پر مسلمانوں کی زبوں حالی اور اسلامی حکومت کے زوال سے مسلمانوں کے غیروں کے غلام بن جانے کا خدشہ نظر آ رہا تھا۔

اس میدان میں ہندوؤں کا مسلمانوں کے خلاف یورپی استعمار کا ساتھ دینے اور مکمل طور پر اس کا دست و بازو بننے کے بھرپور مواقع سامنے تھے جب کہ مسلمانوں میں چار صدیوں کی حکمرانی کے باعث کردار کی کمی اور قائدانہ صلاحیتوں کا فقدان نوشتۂ دیوار تھا۔ مغلیہ خاندان میں کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جو سلطنت کو سنبھال سکے اور شکست وریخت سے بچا سکے۔ مسلمانوں میں حکومتی زوال کے باعث فرقے اور گروہ بندیاں اور علاقائیت سر اٹھا رہی تھی۔ مسلمان علماء وصوفیاء بالعموم اصلاحی اور تعمیری کام سے غافل تھے۔ شریعت اور تصوف، ظاہری علوم اور باطنی علوم، عشق و عقل، فقہی مذاہب کے اختلافات اور تصوّف وروحانی مسالک کے مابین صرف دوری ہی نہیں بلکہ عدم برداشت کے رویّے وقت کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے فقہی مسالک میں اعتدال کی راہ اپنانے کے لئے ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح قرار دینے کے طریقے کی بجائے بقائے باہمی کے اصول کو فروغ دیا جو عین انصاف کا تقاضا اور شریعت حقہ کا مقصود بھی تھا چنانچہ آپ نے ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' نامی کتاب لکھ کر اہلِ علم کی اس جانب رہنمائی فرمائی۔

☆ شیخ مجدد رحمہ اللہ کی طرح آپ نے تصوف کے میدان میں بھی شریعت کی پابندی کا اصول اپنایا اور اس کو عام کر کے اسلامی معاشرے کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔ نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے ضمن میں بھی دونوں نقطہ ہائے نظر میں موافقت اور تطبیق کا راستہ اختیار کر کے امت کو مزید تقسیم اور خلفشار سے بچا لیا۔

☆ مغل حکمران ہمایوں کی ایران سے نظریاتی فوج کے ہمراہ واپسی اور حکومت کی بحالی کے بعد ایک صدی تک شیعہ مسلک برصغیر میں پس پردہ رہا اور اپنے منفرد اعتقادات کا پرچار کرتا رہا مگر اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کے بعد بادشاہ کے شیعہ مسلک اختیار کر لینے کے اعلان سے یکا یک حالات بدل گئے اور لوگ شیعہ مسلک اختیار کرنے لگے اور ان کے مخصوص نظریات عام ہونے لگے جب کہ اہل سنت عوام اور خواص پہلے پہل اس سے بے خبر رہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس میدان میں مسلمان امت کی بہتری کے لئے اور مسلمانانِ ہند کی بقا کی خاطر مسلک اہل سنت کا مدلل دفاع فرمایا اور علماء وخطباء اہل سنت اور صوفیاء و واعظین کے ہاتھ میں دلائل کا ایک ایسا دبستان دے دیا جو آج تک اہل سنت کی دل کی آنکھوں کے لئے سرمہ کے طور پر اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ ہماری مراد شاہ صاحب کی تصنیف لطیف "قرة العينين فی فضلية الشيخين" سے ہے جس میں شاہ صاحب نے کمال مہارت سے دور نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ سے متصل بعد خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کو حق ثابت کیا اور ان کی فضیلت کو مدلل و مبرہن کر دیا کہ آج بھی روز اوّل کی طرح روشن کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر فضیلت علی ترتیب الخلافت کو بھی عوام کے ذہن میں اتارنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ (اس ضمن میں آپ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے " تحفه اثناعشريه "لکھ کر اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور عوامی سطح پر بھی احقاق حق کا فریضہ ادا کر دیا)

☆ سب سے اہم معاملہ جس پر شاہ صاحب نے کام کیا اور یہ کام شاہ صاحب جیسا عبقری اور GENIUS ہی کر سکتا تھا کہ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے حکومتی زوال کے جلو میں ایمانی کیفیات کا زوال اہل علم کو نظر آ رہا تھا، اس کے لئے نہایت وقیع اور حد درجہ قابلِ قدر کام کیا اس شعبہ میں ان کے تعمیری کام کے دو حصے ہیں: (1) سیاسی وفلاحی کام (2) علمی اور تصنیفی کام

علمی دنیا میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مخصوص خارجی حالات کے اعتبار سے جب بھی کوئی کام کیا جاتا ہے تو وہ دو طرح کی امکانی صورتیں ہوتی ہیں: کچھ لوگ طبعاً مثالیت پسندی (IDEALISM) کی طرف میلانِ طبع رکھتے ہیں وہ اسی طرح کی سوچ کے تحت آگے بڑھتے ہیں اور اسی طرز (IDEALISTIC APPROACH) پر اپنے فکر کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جب کہ کچھ

لوگ نفسیاتی طور پر واقعیت پسند (REALIST) ہوتے ہیں ان کی سوچ واقعیت پسندی اور خارجی معروضی حالات کے تحت ہی کسی کام کی عملی تفصیلات طے کرتی ہے۔ یہ سوچ REALISM اور یہ طرز فکر REALISTIC APPROACH کہلاتی ہے۔ جب کہ مردانِ کار اپنی سوچ کو بلند رکھ کر سوچتے ہیں اور عملی اقدامات کے طور پر ہوا میں قلعے تعمیر نہیں کرتے بلکہ واقعاتی اور حقیقی ماحول کے مطابق عملی اقدامات کرتے ہیں۔ گویا IDEALISM اور REALISM کے درمیان چلتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے اقتدار کی کشتی کو بھنور میں دیکھا ہے۔ اور یورپی استعمار کی پیش رفت کے تحت مسلمان امت کے وجود کو لاحق خطرات (جو سپین کے مسلمانوں جیسے بھی ہو سکتے تھے) سے نکالنے کے لئے فوری عملی اقدامات بھی کیے ہیں اور اسلام کے حقیقی اجتماعی تصور خلافت وحکومت کو از سر نو بحال کرنے کے لئے فکری سطح پر اعلیٰ معیار کا مواد فراہم کیا ہے اس کے لئے ضروری جذبہ عمل کے طور پر جہاد کے لئے بھی کام کیا ہے۔

(1) جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے فوری مسائل کا حل

اصلاحی اور تبلیغی نوعیت کے کام کے علاوہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کو درپیش ہنگامی نوعیت کے مسائل کا حل بھی نکالنے کی کوشش فرمائی تھی آپ نے بہت سے نوابوں اور مشہور سیاسی لوگوں کو خطوط لکھے اور ہندوؤں کی مرہٹہ قوت کے احیاء، یورپی استعمار یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر ورسوخ میں بے پناہ اضافہ اور سمندری راستوں پر قبضہ کے علاوہ مغلوں کی باہمی رنجشوں اور رقابتوں کے ساتھ شیعہ سنی تقسیم پر بھی قلم اٹھایا ہے اور مسلمانوں کے دینی اتحاد کے ساتھ صاحب حیثیت امراء اور نوابین کو اسلام اور اسلامی شعائر پر آمادۂ عمل کرنے کی سعی بھی کی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم خط وکتابت آپ نے والی قندھار احمد شاہ ابدالی رحمہ اللہ سے کی ہے جو پہلے ملتان کے گورنر رہ چکے تھے اور اب قندھار کے حاکم تھے۔ شاہ صاحب نے انہیں مغلوں کے سیاسی زوال اور مرہٹہ قوت کے دوبارہ سر اٹھانے کی طرف توجہ دلائی اور لکھا کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے یہاں کوئی شخصیت اور قوت موجود نہیں ہے آپ آئیں اور امت مسلمہ کے اس حصے کو مرہٹہ قوت کے انتقامی جذبات سے بچائیں۔ چنانچہ اپنی والدہ کی

فرمائش پر وہ ہندوستان آیا اس کے پاس بیس ہزار جانثار تھے اور بھاری توپ خانہ تھا (جو جرمن ساخت کا تھا)۔ مقامی طور پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دعوت پر مزید 70، 80 ہزار افراد نے اس جہاد میں شرکت کی۔ جنوری 1761ء میں پانی پت کے میدان میں تیسری لڑائی مرہٹہ قوت اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان لڑی گئی جس میں مرہٹہ قوت کو شکست فاش اور مسلمانوں کو واضح فتح ہوگئی، جس سے مسلمانوں میں ایک حوصلہ ولولہ جینے کی امنگ اور اللہ کے دین کی خاطر جہادی جذبات کی آبیاری ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی واپسی پر وہ توپیں پنجاب میں ابھرتی ہوئی سکھ قوت کے سرکردہ سردار رنجیت سنگھ کو بخشش میں دے گیا، جس سے اس نے اپنے مخالفوں پر سیاسی اور فوجی برتری حاصل کر کے ایک وسیع سکھ حکومت قائم کر لی جو 1846ء تک قائم رہی۔ (یاد ہے کہ سکھوں نے تقریباً ستّر سال کابل سے لے کر دہلی تک حکومت کی ہے، سردار رنجیت سنگھ نے پچاس سال حکمرانی کی اور کشمیر سے ملتان تک اس کی فرمانروائی میں تھے۔ احمد شاہ ابدالی کی خیر سگالی کا جواب یہ تھا کہ ان کے دورِ حکومت میں مساجد پر تالے تھے، اذان نماز پر پابندی تھی، کوئی اذان نہیں دے سکتا تھا، قرآن مجید لے کر باہر نہیں نکل سکتا تھا، شاہی مسجد لاہور گھوڑوں کا اصطبل تھا اور سارا قیمتی پتھر اتار کر امرتسر لے جایا جا چکا تھا۔ مسجد کی موجودہ تعمیر تو 1937ء۔1960ء تک مسلمانوں کے چندے سے ہوئی ہے۔) پانی پت کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کے نتیجے میں مسلمان سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو گئے۔

(2) علمی اور تصنیفی کام

مغلیہ حکومت کے زوال اور عملی طور پر حصے بخرے ہو جانے کی وجہ سے اسلام کا اجتماعی نظام اور شرعی احکام کا نفاذ ختم ہو گیا۔ اس کے لیے شاہ صاحب نے علمی کام بھی کیا کہ مسلمانوں کو دوبارہ حکومت کے حصول کے لئے کوشاں ہونا چاہیے اور اس کے لئے دورِ جدید میں جبکہ مغرب اور مشرق وسطی میں انسانی بیداری اور جدید سوچ کے تحت انسانی حقوق اور حکومتوں کے بننے بگڑنے میں عوام کے عمل دخل کی اہمیت بڑھ گئی تھی جس کے بارے میں مغربی مفکرین سے کہیں پہلے شاہ صاحب نے معاشی میدان میں 'ارتفاقات' کا فلسفہ پیش کیا گیا اور انسانی ضرورتوں اور خواہشوں اور ان کی تکمیل کی درجہ بندی کر دی اور اسلام کے عادلانہ نظام میں دولت کی صحیح تقسیم کی وضاحت

فرمائی اور "فکُّ کلِّ نظام" ہر ظالمانہ نظام کو تہس نہس کر دو! کا نظریہ پیش کیا۔

اُن کی اِن ساری مساعی کا مدار اور محور قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ تھا اسی لئے اس ربط و تعلق کی وضاحت اور اسلامی احکام کی حکمتیں واضح کرنے کے لئے خواص و عوام کیلئے ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے نام سے حکمت دین کی شرح اور تفسیر پر کتاب لکھی جو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنے موضوع پر واحد کتاب ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضرت محمد ﷺ کے احکام و سنن کی حکمتیں کمالِ حکمت سے واضح فرمائیں اور ان کا انطباق دورِ حاضر کے تمدنی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ کر کے ایمان کی مضبوطی کے لئے مستحکم بنیادیں فراہم کر دیں جس سے امت کے ذہین عناصر کو بہت تقویت ملی۔

آپ ایک عبقری اور اپنے ماحول کے اعتبار سے بہت آگے کی باتوں پر غور کرتے ہیں، آپ نے اسلام کے مستقبل کے بارے میں بڑی پُر امید باتیں کیں۔ اسلام کے عالمی غلبہ اور اس کے عادلانہ نظام کے ہمہ گیر 'اظہار' کی نوید سنائی۔ آپ نے اس بات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان کے باسیوں میں اونچی ذات کے ہندوؤں نے آخر اسلام کیوں قبول نہیں کیا؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان حکمرنوں نے اسلام کی بامقصد تبلیغ اور عادلانہ اجتماعی نظام کے ساتھ خلافت اسلامی کے کفالت کے نظام کا نمونہ آخر ہند کے دیرنشینوں کو دکھایا ہی کب ہے کہ ان پر اتمام حجت ہو سکے۔ آپ نے لکھا کہ جب اسلام کا مستقبل میں غلبہ ہوگا اور اس کی حقیقی تعلیمات پر مبنی خلافت کے نظام کے تحت سماجی، سیاسی اور معاشی تعلیمات پر عمل درآمد ہوگا اور کفالت عامّہ کا تصور جلوہ گر ہوگا تو ــــــــــــ اونچی ذات کے اکثر ہندو یقیناً اپنے اندرونی خلوص اور نیکی کی وجہ سے دامن اسلام میں پناہ لیں گے۔ واللہ اعلم

الغرض ــــــــــــ شاہ صاحب آج کے دور جدید کے آدمی محسوس ہوتے ہیں، ان کی ذات اور ان کے خاندان سے ایک تحریک اٹھی اور اس کے کئی گوشے سامنے آئے اور یقیناً پاکستان کے قیام اور انگریزوں کی غلامی سے آزادی میں ان کے افکار کا بڑا عمل دخل ہے۔

یہ سیمینار یکم اپریل 2007ء بروز اتوار صبح 9:00 بجے تا 12:00 بجے منعقد ہوا اور یہ بارہ ربیع الاوّل کا دن بھی تھا اس لئے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تذکرے کے

ساتھ ساتھ سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر بھی خطابات ہوئے۔ اس پروگرام میں مہمان خصوصی جناب مولانا قاضی ظفرالحق صاحب واہ کینٹ تھے اور دیگر مقررین حضرات میں جناب مولانا محمد انور چیمہ صاحب، پروفیسر مہر غلام سرور صاحب، جناب ساجد محمود مسلم صاحب، جناب شہباز گجر صاحب اور انجینئر مختار فاروقی صاحب شامل تھے۔ (ادارہ)

مدیر کے نام

××☆×××☆×××☆××

(1)

محترم جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب

السلام علیکم!

''**احیاء العلوم نمبر** '' کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ علم و دانش کی گراں قدر خدمت ہے۔ سچ یہ ہے کہ علم ہی شرف انسانی کی اساس ہے مگر اس کے لئے لازم ہے کہ علم مذہب کے تابع ہو۔ ایسا ہی علم ''دانش نورانی'' کہلانے کا سزاوار ہوتا ہے۔ ورنہ وہ محض ''دانش بُرہانی'' بن کے رہ جاتا ہے جو حیرت کی فراوانی کے سوا کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ (اور ظن وتخمین کے دھندلکوں میں گم کر دیتا ہے)

"**حقیقت علم** "سے" **احیاء العلوم**"تک آپ نے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کامیاب سعی کی ہے مذہب اور سائنس میں کوئی بُعد نہ تھا مگر گمراہ ذہنوں نے مذہب کو دین فطرت کی حیثیت سے نہ قبول کیا اور نہ پیش کیا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ مذہب چند رسوم و قیود کا مجموعہ بن کے رہ گیا۔

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

اقبال نے عقل کے ساتھ ساتھ وجدان کا تصور پیش کیا ہے اور دونوں میں سلامت روی پر زور دیا ہے۔ قرآن مجید نے جہاں فطرت کے مظاہر کا بار بار ذکر کر کے ان کی تسخیر پر آمادہ کیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست ہدایت کے ازلی نظام (وحی) کا واضح پیغام بھی دیا ہے۔ پس اس توازن میں ہی نوع انسانی کی بقا ہے۔ "**احیاء العلوم نمبر**"اسی اعتدال کو استدلال

کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش ہے۔ یہ کوشش "احیاء العلوم" کی مختلف تحریکوں کے بیان میں بامِ عروج کو چھوتی دکھاتی دیتی ہے۔ اور اس نمبر کے چوتھے حصے میں بخیر وخوبی انجام رسید ہوتی ہے

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس راہ میں آپ کو استقامت عطا فرمائے اور ہمارے ارباب اختیار کو توفیق دے کہ وہ نظام تعلیم کو ان خطوط پر استوار کریں جن کی نشاندہی "احیاء العلوم نمبر" میں کی گئی ہے (آمین)

مخلص (حسن محمود اقبال)

استاد شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج جھنگ

(2)

محترم جناب مختار فاروقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ: مزاج بخیر!

حکمت بالغہ کا "احیاء العلوم نمبر" ایک دقیع دستاویز ہے۔ اس میں خدا بیزار مغربی تہذیبوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب مادی ترقی کے بل بوتے پر اٹھی اگرچہ اس کی بنیاد الحاد پر تھی اور وہ روحانیت سے خالی تھی۔ تاہم کچھ مسلمان اس تہذیب کی چمک دمک سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کی تائید وحمایت میں اسلام کے عالمگیر اور ابدی اصولوں کی تحریف وتاویل میں لگ گئے مگر ہر دور میں حق پرست علمائے اسلام سامنے آئے جنہوں نے مغربی تہذیب کی حیا باختگی اور مادہ پرستی کی قلعی کھول دی اور اسلامی تہذیب کی افاقیت کو اجاگر کیا حکمت بالغہ "احیاء العلوم نمبر" چار حصوں پر مشتمل ہے ہر حصہ میں احیاء العلوم سے متعلق قابل قدر معلومات ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ جو مغربی تہذیب کی چمک دمک سے دھوکہ کھائے بیٹھے ہیں ان کو راہ صواب دکھانے کی ایک اچھی کوشش ہے حکمت بالغہ کا ادارہ "احیاء العلوم نمبر" نکالنے پر دلی مبارک باد اور تحسین کے لائق ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خیر اندیش

(پروفیسر محمد یونس جنجوعہ لاہور)

(3)

جناب انجینئر مختار فاروقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ بصحت وعافیت ہوں

'حکمت بالغہ' کے **حقیقت علم نمبر** کے بعد اب مئی 2009 کا **احیاء العلوم** نمبر باصرہ نواز ہوا۔ اس بہت اہم موضوع پر قلم اٹھانے پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ آپ چونکہ میری طرح معروف معنوں میں پروفیشنل ''ماہر تعلیم'' نہیں ہیں اس لئے فنی اصطلاحات میں بات نہیں کرتے' اس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ کے اسلوب کی فطری سادگی اور سلاست برقرار رہتی ہے جو قاری کو تفہیم میں مدد دیتی ہے جو کہ ظاہر ہے ابلاغ کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ اس کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔

پچھلی دفعہ بھی اور اب کے بھی، جب بھی میں نے آپ کے کام پر تبصرہ کے لئے قلم اٹھانا چاہا اس میں یہ رکاوٹ پیش آئی کہ چونکہ یہ موضوع میری بہت دلچسپی کا ہے اور اس پر میرا کچھ مطالعہ اور آراء بھی ہیں اس لئے اختلاف رائے اور اضافوں کی ضرورت محسوس ہوتی۔ یوں یہ تبصرہ ایک مضمون کی شکل اختیار کر لیتا جس کے لئے اپنی بے ڈھنگی مصروفیت سے وقت نکالنا بھی مشکل اور مزید یہ کہ پتہ نہیں آپ اسے پسند کریں یا نہ کریں اور اسے چھاپنا چاہیں یا نہیں؛ اسی تذبذب میں بات رہ جاتی۔ اب کی بار میں نے فیصلہ کیا کہ بعض گوشوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کروں گا تا کہ بات لمبی نہ ہو اور خط تک ہی محدود رہے، فھو ھذا:

1۔ اصل میں بات سائنس کی نہیں ہے سائنسی منہاج کی ہے جسے SCIENTICISM یا IMPERICISM کہا جاتا ہے۔ خرابی کی بنیاد یہ ہے کہ مغرب میں ایمپریسیزم کا اطلاق عمرانی اور مابعد الطبیعیاتی علوم پر کیا جاتا ہے اور ''علم'' صرف اسے کہا جاتا ہے جو ایمپریسیزم کی پیداوار ہو۔ یوں میرے نزدیک سائنس کی اسلامائیزیشن سے زیادہ اہمیت سوشل سائنسز یا عمرانی علوم کی اسلامائیزیشن کی ہے کیونکہ وہ تعمیر شخصیت پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

2۔ بعض عرب مسلمان مفکرین نے امریکا میں ''ادارہ فکر اسلامی'' (IIIT یا INTERNATIONAL INSTITUTE OF ISLAMIC THOUGHT) کی بنیاد رکھ کر پچھلی تین دہائیوں میں اسلامی علوم اور فکر کی اسلامائیزیشن کا جو کام کیا ہے اس کی اہمیت

سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ بلکہ اس کے بعد تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ پوپر اور کوہن جیسے مابعد جدیدیت مفکرین خود تسلیم کرنے لگے ہیں کہ مغرب کا پیدا کردہ علم بلا اقدار (VALUE-NEUTRAL) نہیں ہے۔ اور IIIT کی جدوجہد کے حاصلات پر غور کرتے ہوئے بعض مسلم مفکرین کی (بشمول اس خاکسار کی بطور طالب علم) رائے یہ ہے کہ مغربی علوم کی ''اسلامائیزیشن'' ممکن نہیں ہے اور اس نے عملاً اسلام کو مغربیانے (WESTERNIZATION OF ISLAM) کی شکل اختیار کر لی ہے لہٰذا اس وقت چیلنج اور ضرورت مغرب کے پیدا کردہ علم کی اسلامائیزیشن کی نہیں بلکہ اسلامی تناظر میں علوم وافکار کی تشکیل نو کی ہے۔

4۔ یہ کہ بدقسمتی سے پاکستان میں کوئی معتدبہ کوشش علوم ونصابات کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کی نہیں ہوئی۔ حکومت سے اس کی توقع فضول ہے، صرف تحریک اسلامی کے حلقوں میں اس کا احساس موجود تھا لیکن مغربی تہذیب کا طاقتور ریلا اسے بہا کر لے گیا ہے اور ان کے ادارے اب کمرشلائیزیشن اور مغربی فکر وتہذیب کی نقالی کے بھونڈے مظہر بن کر رہ گئے ہیں (اِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبِّیْ)۔ میری رائے میں یہ کوئی حادثہ نہیں بلکہ منطقی نتیجہ ہے مین اسٹریم اسلام سے اس فکری انحراف کا جس نے 'اقامت دین' کے خوشکن سلوگن کے نام پر اسلام کے تصور تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت کو غیر اہم بنا دیا اور فرد میں تبدیلی کی بجائے سیاسی جدوجہد سے اسلام 'نافذ' کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی اس کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی۔ راقم اپنی ساری بے بضاعتی کے باوجود 'تحریک اصلاحِ تعلیم' کی ایک شمع جلائے رکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور محمد موسیٰ بھٹو صاحب کے بعد اب ایک خوبصورت اضافہ اس اذان کا ہے جو آپ نے صحراء میں دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی قبول فرمائے اور قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

میری تجویز یہ ہے کہ آپ ان دونوں خاص نمبروں کو جمع کر کے ایک کتاب کی شکل دیں اور اس کے نسخے پاکستان کی ہر پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو، اس کی مرکزی لائبریری کو اور شعبہ تربیت اساتذہ کے چیئرمین اور اس شعبے کی لائبریری کو بھجوا دیں تا کہ

معذرۃً الی اللہ اپنی سی کوشش کر لی جائے۔ دعاؤں کی درخواست کے ساتھ

مخلص: (پروفیسر ڈاکٹر محمد امین لاہور)

(4)

محترم جناب مختار فاروقی صاحب

مدیر ''حکمت بالغہ'' جھنگ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کو "**حقیقت علم نمبر**" کے بعد "**احیاء العلوم نمبر**" پرچہ نکالنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آج کے اس پرفتن اور پرآشوب دور میں علم کی شمع جلانے والے مردان کار بہت عنقا ہیں۔ یہ کام خالص نبوی کام ہے۔ ''حقیقی علم'' سے جب آنحضور ﷺ کا سینہ منور ہوا تو غار حرا سے اترتے ہی زندگی کے آخری سانس تک نوع انسانی کو جہالت کے اندھیروں اور بادشاہوں کے ظلم وستم سے نکالنے کے لئے اس حقیقی علم کو عام کیا اور آپ تمام جہان والوں کے لئے رحمۃ العالمین قرار پائے۔

؎ اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ ءِ کیمیا ساتھ لایا

؎ وہ بجلی کا کڑکا تھا کہ صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اس حال میں کہ وہ علم سیکھ رہا ہو تا کہ اسلام کو زندہ کر سکے تو اس کے اور نبیوں کے مابین جنت میں ایک درجے کا فرق ہوگا یہ شمع علامہ اقبال نے جلائی اور ڈاکٹر رفیع الدین نے بھی جلائی۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو اسی علم وحکمت کی شمع کو جلائے رکھنے میں استقامت عطا فرمائے (آمین)

دعا گو: ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی

صدر انجمن خدام القرآن ملتان

ڈاکٹر **رفیع الدین** صاحب

کی احیاءالعلوم کے ضمن میں فزکس کے شعبہ میں تعارفی ٹیکسٹ بک کا ایک باب

تحریک احیاءالعلوم کا لب لباب یہ ہے کہ جدید مغربی علوم بالخصوص سائنسی علوم کی تدریسی کتب کی از سرنو تدوین جدید، کہ اس میں خدا کا تصور بطور خالق کائنات رچ بس جائے اور سوشل سائنسز کی تشکیل جدید کہ جو علم وحی کے سائے میں پروان چڑھے۔

ایک صدی قبل سب سے پہلے حضرت اکبر الہ آبادی نے اس امر کو محسوس کر کے توجہ دلائی، حضرت علامہ اقبال نے اس پر نظم و نثر میں امت مسلمہ کے باشعور طبقے کو جھنجھوڑا ـــــــــ اور ڈاکٹر رفیع الدین نے اس پر دقیع کام کیا۔ آپ نے زندگی بھر اسی بات کو اُٹھایا اور ADVOCATE کیا' تعلیم، نظریۂ تعلیم اور اسلامی نظریۂ تعلیم کے مبادیات پر کتابیں تصنیف کیں اور بالآخر آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور کی بنیاد رکھی۔ ایک سہ ماہی مجلّہ اسلامی تعلیم (ISLAMIC EDUCATION) نکالتے رہے اور فزکس کے شعبے میں انٹرمیڈیٹ لیول کی ٹیکسٹ کتاب بطور نمونہ تصنیف فرمائی، یہ کتاب مئی 1972ء میں شائع ہوئی۔ ہم یہاں اس کتاب کا تعارف شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تا کہ ہمارے اہل علم و اہل نظر طبقہ میں جو شعبۂ تدریس سے متعلق ہیں، اس موضوع سے متعلق ایک ضرورت کا احساس پیدا ہو ـــــــ شاید اسی طرح نصف صدی بعد ہی سہی اس نہج پر کام آگے بڑھ سکے۔ اللہ ﷻ کو منظور ہوا تو آئندہ شماروں میں اس کتاب لاجواب کے مزید حصے بھی ہدیۂ قارئین کریں گے۔

پاکستان میں حکومتی سطح پر جاری امریکی پالیسیوں کے خلاف

اٹھنے والی آوازوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرادینے والوں کو

اللہ جل جلالہ کے غضب سے ڈرنا چاہیے

سورۃ اٰل عمران اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ آیت 21

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے (رہے) ہیں اللہ جل جلالہٗ کے احکام کا

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ

اور بلا جواز قتل کرتے (رہے) ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ

اور (وہ لوگ جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے) قتل کر دیتے ہیں

يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

ایسے غیر انبیاء لوگوں کو (بھی) جو (انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح) مشورہ دیتے ہیں

(لوگوں کو) حق دار کو اس کا حق دینے اور انصاف کرنے کا

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

ایسے (تمام) لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے ایک دردناک عذاب کی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں انصاف کی بات کہنے اور انصاف کی بات

کرنے والوں سے نہ الجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین